عمرِ انمول شی ہو رہی ہے رائگاں
اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا زیاں!

نوجوانوں کا مستقبل

مُرتّب

مفتی محمد اسلم

خادم التدریس مدرسہ خادم العلوم

باغوں والی و نجھیڑی، ضلع مظفر نگر (یوپی)

شمار نمبر	فہرست عناوین	صفحہ نمبر
۱	نوجوان نسل امت کا قیمتی سرمایہ	۱۱
۲	نوجوانی کا نازک زمانہ	۱۲
۳	آج کے نوجوان اپنی صلاحیتوں سے بے خبر	۱۳
۴	اسلاف کی زندگی بہترین مشعل راہ	۱۴
۵	مدائن کی فتح کا حیرت ناک واقعہ	۱۶
۶	جنگلی جانوروں کا جنگل خالی کر دینا	۱۹
۷	حیرہ شہر کا حیرت ناک واقعہ	۲۱
۸	فاتح سندھ سترہ سالہ نوجوان	۲۳
۹	خلیفہ عبدالملک کا دورِ حکومت	۲۶
۱۰	فاتح اندلس طارق بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ	۲۷
۱۱	سلطان اعظم خلیفہ ہارون رشید رحمۃ اللہ علیہ	۳۰
۱۲	آسمانی بجلی بایزید یلدرم	۳۸
۱۳	فاتح قسطنطنیہ ۲۳ سالہ جوان	۴۱
۱۴	نوعمر صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ	۵۵
۱۵	جلیل القدر مجاہد انور پاشا	۵۷
۱۶	آج کے نوجوانوں کا پہلے کے مسلمانوں سے تقابل	۶۱
۱۷	نوجوانوں کو بگاڑنے کی سازشیں	۶۹
۱۸	آخری گزارش	۷۵
۱۹	انسان کی بہت بڑی طاقت	۷۵
۲۰	قوت ارادی کا حیرت انگیز نمونہ	۷۶
۲۱	دعا	۸۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلے اِسے پڑھیے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اَمَّا بَعْدُ!

امتِ مسلمہ کے لیے اس سے بڑھ کر فضیلت اور برتری کی چیز اور کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ رب العزت نے اس کو خیر الامم کا عظیم الشان لقب دیا، اس کو سب سے شاندار اور جامع کمالات رسول عطا فرمایا اور سب سے زیادہ کامل و مکمل شریعت سے سرفراز فرمایا! اس بے مثال خدائی اعزاز نے امتِ مسلمہ کے فکر و عمل، اخلاق و کردار، قوت و صلاحیت اور عزم و حوصلے میں وہ بلندی پیدا کر دی کہ دوسری قومیں ان کے گردِ پا کو بھی نہیں پہنچ سکتیں۔

مگر افسوس! آج مسلمان بالخصوص نوجوانوں کی اکثریت ان تمام صفاتِ حمیدہ سے خالی ہوتی جارہی ہے جو امتِ مسلمہ کے خصوصی اوصاف اور طغرائے امتیاز سمجھے جاتے تھے، دین و مذہب سے دوری اور بیزاری کے ساتھ دنیاوی میدان میں بھی ہمارے نوجوان آرام طلب اور پست ہمت ہوتے جارہے ہیں، بلندیوں کے حصول اور قوم و ملت کی خدمت کا جذبہ سرد پڑتا جارہا ہے، بس لہو ولعب، لایعنی وفضول چیزیں اور دین و دنیا میں نکما بنا دینے والے اعمال و افعال سے دل بہلانا ہی ان کا محبوب مشغلہ ہوتا جارہا ہے۔

ایک زمانہ وہ تھا کہ جہد و عمل، عبادت و ریاضت، صداقت و امانت، شجاعت و بہادری، سخاوت و فیاضی، عدل و انصاف اور عزائم کی بلندی وغیرہ جتنے

اچھے اوصاف اور اعلیٰ اخلاق و کردار ہیں وہ مسلمانوں کی پہچان بنے ہوئے تھے۔ اور آج جتنی بری عادتیں اور رذیل (گھٹیا) کام ہیں وہ ہماری شناخت بنتے جارہے ہیں، مادیت کی چمک دمک اور مغربی تہذیب وطرز زندگی پر جوانوں کی فریفتگی کا یہ عالم ہے کہ نہ تعلیم وتربیت جیسی مؤثر چیز ان کے ذہن ودماغ پر اثرانداز ہوپاتی ہے، نہ اساتذہ ومربی لوگوں کی پند ونصیحت اور اصلاحی کوششیں ان کے مزاج ومذاق کو بدلنے میں کامیاب ثابت ہوتی ہے۔

ہمارے نوجوانوں کی بدحالی اس حال کو پہنچتی جارہی ہے کہ غیر مسلم بھی اب ہم پر ہنستے ہیں اور خوش ہوکر کہتے ہیں کہ اب اس قوم کا خاتمہ ہی سمجھو۔

مراکش جاچکا، ایراں گیا، اب دیکھنا یہ ہے
کہ جیتا ہے یہ ترکی کا مریضِ ناتواں کب تک؟

جبکہ مسلمان وہ قوم ہے جس نے صدیوں ساری دنیا پر حکومت کی اور قیادت کے عجیب وغریب جوہر دکھلائے، دنیا کی اقوام ان کی حیرت انگیز قوت وطاقت، بے مثال شجاعت ودلیری، بے داغ صداقت وامانت اور بے لوث عدل وانصاف وغیرہ اوصاف کی بنا پر انہیں انسانوں سے بالاتر کوئی ہستی تصور کرتی تھیں۔ بقول علامہ اقبال مرحوم:

دمِ تقریر تھی مسلم کی صداقت بے باک
عدل تھا اس کا کبھی لوثِ مراعات سے پاک
شجرِ فطرتِ مسلم تھا حیا سے نمناک
تھا شجاعت میں وہ ایک ہستی فوق الادراک

یعنی مسلمان وہ تھے جن کو کسی کا خوف سچ بولنے سے مانع نہ ہوتا تھا، انصاف کے معاملے میں کبھی وہ طرفداری وجانب داری سے کام نہیں لیتا تھا، خواہ اپنی اولاد ہی کا معاملہ کیوں نہ ہو، گناہوں سے مسلمانوں کو حددرجہ شرم آتی تھی اور

اس کی دلیری اور بہادری کا یہ عالم تھا کہ دوسرے لوگ انہیں انسان سے بالاتر ہستی گمان کرتے تھے۔

ایک دوسرے شاعر نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

سرِ تسلیم خم کیوں ہے ہر نئے فیشن پہ تیرا؟
کہاں جاتی رہی مسلم! وہ تیری وضع خودداری
زمانہ نقل کرتا تھا تیری ہر وضع وہیئت
مسلّم تھی جہاں میں تیری دانائی وہوشیاری
تیرے قانونِ فطرت میں گدا وشاہ یکساں تھے
نرالا تھا جہاں سے تیرا آئین جہاں داری
تیری ہمت کے آگے کوہ ودریا سب برابر تھے
ترا عزم اور استقلال کل عالم پہ تھا بھاری

چند نمونے

(۱) جنگِ قادسیہ کے بعد ایرانیوں نے بھاگتے ہوئے دریائے دجلہ کا پل توڑ دیا تھا اور کشتیاں بھی اِدھر اُدھر کردی تھیں، تاکہ اسلامی لشکر مدائن پر جو کسریٰ کا دارالسلطنت (پایۂ تخت) تھا، حملہ آور نہ ہوسکیں، اسلامی لشکر کے امیر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو اپنے لشکر کو حکم دیا کہ اللہ کا نام لے کر اپنا گھوڑا دریا میں اتار دیں، چناں چہ سب نے اتار دیے، آگے آگے حضرت سعد اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہما تھے اور پیچھے پیچھے سارا اسلامی لشکر تھا اور مسلمان گھوڑے پر سوار اس بحرِ ذخار میں اس طرح تیرتے جارہے تھے جیسے بطیں (بطخ، پانی کا جانور) تیرتی چلی جارہی ہوں، ایرانیوں نے جب مسلمانوں کو اس طرح آتے دیکھا تو بے تحاشا چلا اٹھے: دیواں آمدند، دیواں آمدند یعنی دیو آگئے، اور شہر چھوڑ کر تمام ایرانی بھاگ گئے اور اسلامی لشکر بغیر روک ٹوک کے شہر

میں داخل ہو گیا۔ (تاریخ ملت: ۲/۱۲۱)

(۲) عیسائیوں کے مشہور شہر ''حیرہ'' کے محاصرے کے دوران جب حیرہ کا رئیس عمرو بن عبدالمسیح صلح کی بات چیت کے لیے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا تو اس کے پاس ایک تھیلی تھی جس میں زہر تھا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عمرو سے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ فی الفور ہلاک کردینے والا زہر ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تک موت نہیں آتی اس وقت تک کوئی مر نہیں سکتا، یہ کہہ کر بسم اللہ پڑھی اور زہر کو نگل گئے، عمرو بن عبدالمسیح نے جب دیکھا کہ ایسے سخت زہر کا حضرت خالد رضی اللہ عنہ پر کچھ بھی اثر ظاہر نہیں ہوا تو وہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی اس غیر معمولی ایمانی قوت اور توکل علی اللہ سے گھبرا کر کہنے لگا: ''خدا کی قسم تم لوگ اپنی مراد کو ضرور پہنچو گے (جو چاہو گے کرو گے) جب تک تم میں ایسا ایک بھی آدمی موجود ہوگا'' (اشاعت اسلام: ۱۷۵)

(۳) ایک دفعہ رومی سپہ سالار نے ایک شخص کو اسلامی لشکر کے ذاتی حالات اور شب وروز کے معمولات دیکھنے کی غرض سے بھیجا جب وہ شخص واپس آیا اور رومی سپہ سالار نے پوچھا: تم نے کیا دیکھا؟ تو اس نے جواب دیا: ''وہ لوگ رات بھر عبادت ودعا میں مشغول رہتے ہیں اور دن میں بہادر وشہ سوار ہوتے ہیں اور انصاف کا یہ عالم ہے کہ اگر ان کے بادشاہ کا لڑکا بھی چوری کرے تو لوگ ہاتھ کاٹ ڈالیں، یہ سن کر رومی سپہ سالار نے کہا: اگر تمہاری بات صحیح ہے تو زیر زمیں (دفن) ہو جانا بہتر ہے ان کا مقابلہ کرنے سے۔ (اشاعتِ اسلام: ۱۶۸)

یہ ہیں ہمارے اسلاف اور ان کے بارے میں دشمنوں کے تأثرات اور شہادتیں!

ویسا جاں باز زمانے میں نہ پاؤ گے کہیں
لاکھ ڈھونڈو گے چراغِ رخِ زیبا لے کر

مسلمانوں کے ان اوصافِ حمیدہ واخلاقِ فاضلہ ہی کا نتیجہ تھا کہ تھوڑی سی مدت میں بحرِ اٹلانٹک (بحرِ ظلمات) کے سواحل سے لے کر بحرِ پاسفک (بحر الکاہل) کے کناروں تک اور بحرِ منجمد شمالی کے برفانی علاقوں سے لے کر افریقہ کے جلتے ہوئے صحرا تک لا الہ الا اللہ کا ڈنکا بجنے لگا، بقول اقبال مرحوم:

دی اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

انہوں نے اپنے عمل سے دنیا کو دکھلا دیا کہ اسلام واقعی سچا مذہب اور خدائی دین ہے اور اس کی تعلیمات وہدایات میں وہ حیرت انگیز تاثیر ہے کہ آناً فاناً وہ پوری دنیا کو مسخر ومفتوح کرسکتا ہے اور کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

لیکن آج ہم لوگ اپنے اسلاف رضی اللہ عنہم کے عظیم الشان کارناموں پر بدنما داغ اور اسلام کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ بقول اقبال مرحوم:

ہاتھ بے زور ہیں، الحاد سے دل خوگر ہیں
امتی باعثِ رسوائی پیغمبر (ﷺ) ہیں

ماضی قریب کے نوجوان

ابھی ماضی قریب میں (ساٹھ ستر سال پہلے) انہی مدارس اور تعلیم گاہوں سے ایسی ایسی نادرۂ روزگار ہستیاں پیدا ہوئیں جو علم وعمل، عبادت وریاضت، صلاح وتقویٰ، زہد وقناعت، اصلاحِ خلق اور ارشادِ امت میں سلف صالحین کا نمونہ تھیں، جنہوں نے ہر میدان میں قوم وملت کی قیادت کا اہم فریضہ انجام دیا اور اپنی تقریر وتحریر اور سیرت وکردار سے عہدِ صحابہ وتابعین کی یادیں تازہ کردیں، انہوں نے پیٹ پر پتھر باندھ کر طاغوت کی ہر شکل اور باطل کے ہر روپ سے جہاد کیا اور اپنے خون پسینے سے برِ صغیر کے اندر مسلمانوں کی عزت وآبرو

کے چراغ روشن کیے جن کے مبارک آثار اب بھی ہمارے سامنے موجود ہیں۔

مگر آج امتِ مسلمہ ایمان دار، مخلص اور قائدانہ صلاحیتوں کے حامل افراد اور جوانوں سے محروم ہوتی جارہی ہے، یہ صورتِ حال دردمندانِ ملت اور بہی خواہانِ قوم کے لیے سوہانِ روح (روحانی تکلیف کا سبب) بنی ہوئی ہے، مختلف حلقوں اور جماعتوں کی جانب سے یہ مطالبات بھی ہورہے ہیں کہ مسلمانوں کے بچے اور نوجوانوں کی شخصیت سازی اور ان کے اندر قائدانہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے کوئی منظم کوشش شروع کی جائے، چناں چہ اپنے اپنے طور پر بہت سے علمانے اس موضوع پر قابلِ قدر کام انجام دیا ہے۔

نوجوانوں کا مستقبل:

اس سلسلے کی ایک چھوٹی سی کوشش احقر نے بھی کی ہے جو ''نوجوانوں کا مستقبل'' کی شکل میں آپ حضرات کے ہاتھوں میں ہے، یہ دراصل نوجوانوں کی بے راہ روی اور تباہی کو دیکھ کر دل میں ابھرنے والے خیر خواہانہ جذبات وخیالات کو الفاظ وعبارات کا جامہ پہنادیا گیا ہے، ہمارے طلبہ اگر اس کو اپنے مطالعہ میں رکھیں تو ان کے اندر خونِ تازہ کی فراہمی میں ان شاء اللہ بہت مفید ثابت ہوگی، نوجوان بھائیوں سے احقر کی یہ التجا ہے کہ وہ کم از کم ایک بار اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرلیں یا پڑھوا کر سن لیں، ان شاء اللہ وہ اپنے اندر روحانی تازگی اور ایمانی حرارت محسوس کریں گے۔

اپنے مقام ومنصب کا شعور:

نوجوانانِ اسلام! آپ اپنے اندر اپنے مقام ومنصب کا حقیقی شعور پیدا کیجئے، امتِ مسلمہ کی حیثیت اس دنیا میں محض تماشائی کی نہیں، بلکہ اس کی مثال

پوری دنیا کے لیے آئیڈیل اور نمونہ کی ہے، یہ امت نکالی ہی گئی ہے پورے عالم کی اصلاح وہدایت اور معروف ومنکر کی نگرانی کے واسطے اور زندگی کے تمام شعبوں میں نمونہ بننے کے لیے، اس کے سر پر خیرِ امت (بہترین امت ہونے) کا عظیم الشان تاج رکھا ہوا ہے اور قرآن مقدس کی شکل میں اس کو زندۂ جاوید دستورِ حیات عطا فرمایا گیا ہے، یہ ایسا سدا بہار دستورِ زندگی ہے جس کا حسن لازوال اور خوشبو لافانی ہے، یہ ایسا نسخۂ کیمیا ہے جس کی افادیت نہ کسی عہد وزمانہ کے ساتھ مخصوص ہے، نہ کسی خطے اور قوم کے ساتھ محدود، وہ آج بھی انسانوں کو بنانے اور ان کی فطری صلاحیتوں کو نکھارنے میں وہی کردار ادا کرسکتا ہے جو کردار ساڑھے چودہ سو سال پہلے عرب کی وحشی اور تعلیم وتمدن سے دور قوم کو بنانے میں ادا کیا تھا، لہٰذا قرآنی تعلیمات وہدایات کی روشنی میں اپنے آپ کو بنائیے، سنواریے اور سلف وصالحین کا سچا جانشین اور نمونہ بن جائیے۔

ملت کے نوجوانو! کل کو امتِ مسلمہ کی قیادت آپ کے سپرد ہوگی، آپ ہی اس کشتی کے کھینے (چلانے) والے ہوں گے اور آپ ہی کے وجود سے دنیا کی تاریک فضائیں روشن ہوں گی، لہٰذا آپ کا خوابِ غفلت میں پڑے رہنا اور اپنی ذمہ داریوں کو محسوس نہ کرنا ہرگز مناسب نہیں۔

اٹھ بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق ومغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

یہ ہرگز آپ کے شایانِ شان نہیں کہ آپ دنیا کی فانی لذتوں اور گہما گہمیوں میں الجھ کر رہ جائیں، یہ باتیں جوانی اور جوانی کی صلاحیتوں کو ضائع کردینے والی اور پستی کی طرف لے جانے والی ہیں۔

تو شاہین ہے، پرواز ہے کام تیرا
اسی روز وشب میں الجھ کر نہ رہ جا

یہ عالم عیش وعشرت کا یہ دنیا کیف ومستی کی
بلند اپنا تخیل کر، یہ سب باتیں ہیں پستی کی

آپ اپنے اندر فکری بلندی، کبھی نہ بجھنے والی طلب اور کبھی سرد نہ پڑنے والا جذبہ پیدا کیجئے، اور اسلام کے ایسے سپاہی بنیے جو ہر وقت چوکس رہنے والا اور کسی بھی گھڑی ہمت ہارنے والا نہ ہو:

اے جوئے آب^۱ بڑھ کے ہو دریائے تند وتیز
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول
تو رہِ نوردِ^۲ شوق ہے منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہمنشیں ہو تو محمل^۳ نہ کر قبول

اور آرام طلبی چھوڑ کر میدانِ عمل میں اتر جائیے، محنت ومجاہدہ کو اپنا شعار بنائیے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت اور سچا عشق پیدا کیجئے اور تمام عالم پر چھا جائیے۔

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد (ﷺ) سے اجالا کر دے

اللہ پاک ہمارے نوجوانوں مین دورِ اول کے مسلمانوں کے جیسا جذبہ پیدا فرمائیں اور قوم وملت کو ان کی صلاحیتوں سے زیادہ سے زیادہ متمتع فرمائیں۔ آمین

از:
مرتب غفرلہ الاحد
رجب المرجب ۱۴۳۶ھ

۱۔ نہر، تالاب ۲۔ شوق کا مسافر ۳۔ کجاوا، اونٹ کا ہودہ

نوجوان نسل امت کا قیمتی سرمایہ

کھیتوں کو دے لو پانی اب بہہ رہی ہے گنگا
کچھ کر لو نوجوانو! اٹھتی جوانیاں ہیں

نوجوانوں کی معاشرے میں بڑی اہمیت ہے وہ قوموں کا نہایت قیمتی سرمایہ، ان کے مستقبل کا روشن ستارہ اور ملک وملت کا طاقت ورستون ہوتے ہیں جن پر قوموں کے عروج وزوال اور ترقی وتنزُّلی کا مدار ہے، قوم کی بڑی بڑی امیدیں ان سے وابستہ ہوتی ہیں، وہ پہاڑوں کو ہلا دینے والے اور دریاؤں کا رخ موڑ دینے والے جذبے سے سرشار ہوتے ہیں، ان کے ذریعے قوم وملت کے بڑے بڑے کام انجام پاتے ہیں اور دشوار سے دشوار گھاٹیاں آسان ہو جاتی ہیں۔

نوجوانوں سے معاشرے کی تعمیر وترقی بھی ہوتی ہے اور تخریب وویرانی بھی، قومیں ان سے بنتی بھی ہیں اور بگڑتی بھی ہیں، ملک آباد ہو کر ویران بھی ہوتے ہیں۔

اگر کسی قوم یا ملک کو تندرست وتوانا اور پاکیزہ اخلاق وکردار رکھنے والے جوان میسر آجائیں تو اس کی سعادت وخوش قسمتی کا کیا کہنا! کیوں کہ وہ اس قوم کو ترقی کے بلند سے بلند مقام تک پہنچا سکتے ہیں۔ اور اگر خدانخواستہ اس کے برعکس صورت پیش آجائے تو پھر اس قوم کی بربادی میں کوئی شبہ نہیں، اس لیے کہ قوم کے نوجوانوں کی بربادی اس قوم کی تباہی ہے، جب تک نوجوانوں کو تباہی سے نہ

بچایا جائے اس وقت تک کوئی قوم تباہی سے بچ نہیں سکتی۔

نوجوانی کا نازک زمانہ

انسانی زندگی کا سب سے اہم اور نازک حصہ جوانی کا دور ہوتا ہے، جوانی آتی ہے تو ہزاروں قسم کی خواہشیں اور نئی نئی امنگیں بھی اپنے ساتھ لاتی ہے، اس وقت نوجوانوں میں جوش وجذبات بامِ عروج پر ہوتے ہیں، ہمہ وقت ان کے اندر طاقت وقوت اور شوق ونشاط کا ایک لاوا (پگھلا ہوا مادہ جو آتش فشاں پہاڑ سے نکلتا ہے) پک رہا ہوتا ہے. جو ہر گھڑی کچھ کر گزرنے پر برانگیختہ کرتا رہتا ہے، اس عمر میں آدمی بنتا بھی ہے اور بگڑتا بھی ہے، اس لیے نوجوانوں کو ایک ایک قدم پھونک کر رکھنے کی سخت ضرورت ہوتی ہے، ورنہ بسا اوقات اس عمر کی غلطی کا خمیازہ پوری زندگی بھگتنا پڑتا ہے۔

یہی وہ عمر ہوتی ہے جس میں ہر انسان اپنی زندگی کا رخ متعین کرتا ہے اور مستقبل کے بارے میں پروگرام طے کرتا ہے، اگر اس زمانے میں جوانوں کا رخ خیر اور بھلائی کے کاموں کی طرف ہو جاتا ہے اور انہیں صاف ستھرا ماحول، نیک صحبت اور اچھی تعلیم وتربیت کے مواقع میسر آجاتے ہیں تو وہ ترقی کے زینوں کو پار کرتا ہوا بلندی کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر پہنچ جاتا ہے اور علم وفہم، امانت ودیانت اور صدق واخلاص جیسے اعلیٰ اوصاف سے آراستہ ہو کر قوم وملت کے لیے ایسے ایسے کارنامے انجام دیتا ہے کہ انسانی عقلیں حیران رہ جاتی ہیں۔

اور اگر خدانخواستہ یہی نوجوان نفس وشیطان کے فریب میں پھنس کر صراطِ مستقیم سے بھٹک جاتا ہے اور خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے پڑ کر اپنی جوانی کا غلط استعمال شروع کر دیتا ہے تو اس کا رخ شر وفساد کی طرف ہو جاتا ہے اور ذلیل جانوروں کی سی عادت وخصلت اس کے رگ وپے میں سرایت کر جاتی ہے یہاں

تک کہ وہ اپنے ہاتھوں اپنی زندگی کو تباہ کر لیتا ہے۔

آج کے نوجوان اپنی قوت وصلاحیت سے بے خبر

جس طرح (جیسا کہ مشہور ہے کہ) شیر کا بچہ بکریوں میں رہتے رہتے خود کو بھی بکری ہی کا بچہ سمجھنے لگا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے بھی بکری ہی کی خو بو (عادت وخصلت) اختیار کر لی اور شیر کی جو فطری طاقت اور صلاحیت تھی وہ اس کی نگاہوں سے بالکل اوجھل ہو گئی، ٹھیک اسی طرح دنیا کی موجودہ رنگینی اور چمک دمک نے ہمارے نوجوانوں کی نگاہوں سے یہ حقیقت اوجھل کر دی ہے کہ نوجوان نسل قوم وملت کا کتنا قیمتی سرمایہ ہے؟ اور وہ قوم وملت کے لیے کیسے کیسے کارنامے انجام دے سکتی ہے؟ یہی وجہ ہے کہ ہمارے نوجوانوں کے سامنے چند فانی اور معمولی لذتوں کے سوا زندگی کا کوئی مقصد نہیں رہا، وہ اپنی زندگی کی تعمیر ان ہی خطوط پر کر رہے ہیں جن پر دوسرے لوگ قائم کیے ہوئے ہیں اور اسی کے حصول کو وہ کوششوں کا منتہی اور عروج وترقی کی آخری منزل تصور کرتے ہیں جس کا نتیجہ ہے کہ قوم کا یہ قیمتی سرمایہ یوں ہی ضائع ہو جاتا ہے، نوجوان اپنی صلاحیتوں سے نہ خود پورے طور پر فائدہ اٹھا پاتے ہیں اور نہ قوم وملت کو ان سے کوئی خاص نفع پہنچتا ہے، چناں چہ آج پوری مسلم دنیا میں اس کمی کو محسوس کیا جا رہا ہے اور یہ احساس بالکل بجا ہے، کیوں کہ جس سے کوئی بیش قیمت چیز چھن جاتی ہے احساس بھی اسی کو ہوتا ہے، مسلمان وہ قوم ہے جس نے برسوں نہیں بلکہ صدیوں تک پوری دنیا کی قیادت کی، اور اسی پر بس نہیں، بلکہ قیادت کے عجیب وغریب جوہر دکھلائے، جس نے ایسے ایسے قائدین پیدا کیے جن کی دنیا کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی، آج وہی قوم مخلص، ایماندار اور قائدانہ صلاحیت رکھنے والے

نوجوان وافراد سے خالی ومحروم نظر آرہی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس وقت پورے عالم اسلام میں اس کی شدید ضرورت محسوس کی جارہی ہے اور آوازیں اٹھ رہی ہیں کہ مسلمانوں کے بچوں اور نوجوانوں کی شخصیت سازی اور ان کے اندر قائدانہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کی منصوبہ بند طریقے پر کوئی کوشش شروع کی جائے۔

اس تحریر کے ذریعہ ہمارا مقصد نوجوانوں کے اندر یہ احساس بیدار کرنا ہے کہ وہ قوم وملت کا کتنا قیمتی سرمایہ اور طاقت ورستون ہیں؟ ان کے اندر اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر وہ تمام قوتیں اور صلاحیتیں رکھی ہیں جن کی حفاظت، صحیح استعمال اور تعلیم وتربیت کے ذریعہ ان کو پروان چڑھا کر وہ قائدانہ صلاحیتوں کے مالک ہوسکتے ہیں۔

اپنے اسلاف کی زندگی سے سبق حاصل کریں

یہ بات سلف سے منقول بھی ہے اور روزمرہ کا مشاہدہ بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ اَلْوَلَدُ سِرٌّ أَبِیْهِ یعنی ہر بچہ اوصاف وکمالات میں اپنے باپ دادا کا نمونہ ہوتا ہے، باپ دادا کی خوبی بچے میں خود بخود (قدرتی طور پر) منتقل ہوجاتی ہے، چناں چہ عموماً دیکھنے میں آتا ہے کہ جو بچہ اپنے بڑوں کے نقشِ قدم پر چلتا ہے اور ان کے جیسا بننے کی کوشش کرتا ہے تو وہ آگے چل کر اپنے بڑوں کا صحیح معنی میں جانشین ہوجاتا ہے، ڈاکٹر کا بیٹا ڈاکٹر بن جاتا ہے، مجاہد کا بیٹا مجاہد بنتا ہے، عالم کا بیٹا عالم ہوتا ہے اور بادشاہ کا بیٹا بادشاہ ہوتا ہے، تاریخ میں آپ کو ایسے کتنے نوجوان ملیں گے جو پندرہ بیس سال کی عمر میں بادشاہ بن گئے، اور جو بچہ اپنے بڑوں کی زندگی کو سامنے رکھ کر ویسا بننے کی کوشش نہیں کرتا تو صرف فطری صلاحیتیں کافی نہیں ہوتیں اور محض خاندانی برتری اور باپ داداؤں کی بزرگی

اسے بڑا نہیں بنا سکتی، بلکہ بسا اوقات ''ولی کے گھر شیطان کی پیدائش'' کا مصداق ہوجاتا ہے، حدیث میں ہے: مَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ (مسلم) (جس کو اس کے عمل نے پیچھے کردیا اس کا نسب اس کو آگے نہیں کرسکتا) علامہ اقبال مرحوم کا شعر ہے:

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو ☆ پھر پسر قابل میراثِ پدر کیوں کر ہو؟

اسی طرح ہمارے بچے اور نوجوان اگر اپنے اسلاف کی زندگی اور ماضی کے نوجوانوں کے کارناموں کو سامنے رکھیں اور ان کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنائیں تو ان کی صلاحیتوں میں چار چاند لگ سکتے ہیں، اس لیے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مسلمان ایک زندۂ جاوید قوم ہے اس کی شاندار تاریخ ہے، اگر آپ اپنی ساڑھے چودہ سو سالہ تاریخ اور اسلاف کی زندگی کا مطالعہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ ہر میدان میں خواہ امت کی اصلاح وہدایت کا کام ہو یا دین کی نشر واشاعت کا یا دشمنانِ اسلام سے لڑنے کا فریضہ ہو یا مظلوم انسانیت کو ظالموں کے پنجوں اور شکنجوں سے نجات دلانے کا، ملت کے نوجوانوں نے اپنی طاقت کا لوہا منوایا ہے اور ان کا کردار عمل ہمیشہ نمایاں اور غالب رہا ہے، انہوں نے اپنے خون سے ویرانوں کو آباد کیا، دینِ حق کا چہار دانگ عالم میں ڈنکا بجایا اور ملک وملت کے لیے ایسے ایسے کارنامے انجام دیے جو تاریخ کے اندر سنہرے حروف میں لکھے گئے اور رہتی دنیا تک یاد رہیں گے۔

ملت کے شیر دل نوجوانوں نے ہر طرح کی تکلیفیں سہیں، مگر ہمت نہیں ہاری، راحت وآرام کے بجائے سیف وسنان (نیزہ وتلوار) کو اپنا شعار بنایا، اپنا عشرت خانہ آباد کرنے کے بجائے مردِ میدان بنے اور اسلام کا جھنڈا دنیا کے گوشے گوشے میں لہرادیا، انہی کی قربانیوں کی بدولت قیصر وکسریٰ کی عظیم الشان سلطنتیں (روم وفارس) جو دنیا میں روئے زمین پر طاقت وقوت کا سب سے بڑا

نشان بھی جاتی تھیں اسلام میں داخل ہوئیں۔

ایک طویل زمانہ ایسا بھی گزرا ہے کہ تقریباً ساری دنیا کلمہ لا الہ الا اللہ کے ماننے والوں کے زیرنگیں تھی اور کوئی قابل ذکر سلطنت وحکومت ایسی نہ تھی جو مسلمانوں کی رعیت اور باج گزار (ٹیکس ادا کرنے والی) نہ ہو۔ چند مسلمان عرب کی بے برگ وگیاہ زمین سے اٹھے اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام کرۂ ارض (پوری زمین) پر چھاگئے، گویا وہ ایک ابرِ رحمت تھا جو برسا اور برستا ہی چلا گیا یا زور شور کی ہوا تھی جس کے چلتے ہی شرک وکفر کے بادل چھٹ گئے اور دنیا ایمان وہدایت کے نور سے جگمگا اٹھی۔

ع: تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا

مسلمانوں کی حیرت انگیز کشور کشائی (بادشاہی وحکمرانی) آج بھی دلوں کو مرعوب کیے ہوئے ہے اور اپنوں سے زیادہ غیروں کی زبانیں مسلمانوں کے حیرت انگیز کارناموں کی معترف ہیں۔

سلف صالحین کے حالات وواقعات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پاک نے بحروبر (سمندر وخشکی) صحرا وجنگل سب کو ان کے لیے مسخر (تابع) کر دیا تھا، کوئی بھی چیز ان کی راہ میں مانع نہیں ہوتی تھی۔

ویسا جانباز زمانے میں نہ پاؤ گے کہیں
لاکھ ڈھونڈو گے چراغِ رخِ زیبا لے کر

مدائن کی فتح کا حیرت ناک واقعہ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جب قادسیہ کے عظیم معرکہ سے کامیابی کے ساتھ فارغ ہو چکے تو مدائن کا (جو کسریٰ کا دارالسلطنت تھا) قصد

فرمایا، مدائن وہ عظیم الشان مقام تھا جس کی فتح پر فارس (ایران) کے انجام کا مدار تھا، اس میں وہ قیصر ابیض بھی تھا جس کے مفتوح ہونے کی خوش خبری آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی: عُصَيْبَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَفْتَحُوْنَ الْبَيْتَ الْأَبْيَضَ بَيْتَ كِسْرىٰ (مسلم: ۴۶۸۸ کتاب الامارۃ باب الناس تبع لقریش)

مدائن دریائے دجلہ کی جانب مشرق میں واقع تھا اور مسلمان دجلہ کی جانب مغرب سے آرہے تھے، ان کے راستے میں بہرسیر پڑتا تھا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ دجلہ کی جانب کو فتح کرتے ہوئے بہرسیر تک پہنچ گئے، اسلامی لشکر دو مہینے تک بہرسیر کا محاصرہ کیے پڑا رہا، بالآخر محصورین تنگ آ کر صلح پر آمادہ ہوئے اور شہر مسلمانوں کے حوالے کر کے بہرسیر کا گورنر مع رعایا اور لشکر کے مدائن چلا گیا، اب مسلمانوں کو مدائن کی فکر ہوئی، اہل فارس نے دجلہ کا پل توڑ دیا تھا اور ساحل دجلہ سے کشتیاں بھی ہٹادی تھیں، تاکہ دجلہ کو عبور کر کے مسلمان مدائن پر حملہ آور نہ ہو سکیں، دوسری جانب بارش کی کثرت کی وجہ سے امسال دریا میں طغیانی زیادہ تھی، مسلمان یہ صورتِ حال دیکھ کر پریشان تھے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اسلامی لشکر کو جمع کر کے فرمایا: "دشمن نے دریا کی طغیانی میں پناہ لے رکھی ہے، میری رائے ہے کہ اس سے قبل کہ دنیا تم پر غالب آ جائے اور اس میں ملوث ہونے کی وجہ سے تمہارے صدق واخلاق میں کمی آئے، اللہ کے واسطے کچھ کام کرلو، میں تو پختہ ارادہ کر چکا ہوں کہ اللہ کے بھروسے پر گھوڑوں کو دریا میں ڈال دوں" سب نے خوشی خوشی جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ارادے میں برکت عطا فرمائے، ہم سب آپ کے فرماں بردار اور ہر طرح تیار ہیں، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ کون بہادر ہے جو دریا کے پار جا کر ساحل پر قبضہ کرلے؟ یہ سن کر عاصم بن عمرو نے اپنے ساٹھ آدمیوں کے ساتھ گھوڑے دریا میں ڈال دیے اور آن کے آن میں پار ہو گئے، اس کے بعد حضرت سعد نے

ساری فوج کو حکم دیا کہ اللہ کا نام لے کر اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیں، آگے آگے حضرت سعد اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہما تھے اور پیچھے پیچھے سارا لشکر تھا اور یہ کلماتِ دعائیہ وردِ زبان تھے: ''ہم اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتے ہیں اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم کو کافی ہے اور بہتر کارساز ہے، بخدا! وہ اپنے دوست کو فتح دے گا اور اپنے دین کو غالب کرے گا اور دشمن کو شکست سے دوچار کرے گا، اللہ کی مدد کے بغیر کسی میں کوئی طاقت اور قوت نہیں۔

دریا کو عبور کرتے وقت لشکر کو اس طرح ترتیب دیا گیا تھا کہ دو دو مسلمان باہم ملے ہوئے اور باتیں کرتے جا رہے تھے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے رفیق حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تھے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ بار بار فرماتے تھے: قسم خدا کی! اللہ تعالیٰ ضرور اپنے دوست کی مدد فرمائیں گے، اپنے دین کو غالب اور دشمن کو مغلوب کریں گے جب تک لشکر کے اندر ظلم اور گناہوں کی کثرت نہ ہوگی۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسلامی لشکر جس طرح دریا میں داخل ہوا ہے اسی طرح صحیح وسالم پار ہوگا، چناں چہ ایسا ہی ہوا کہ ساٹھ ہزار شہ سوار اس بحرِ ذخار میں اس طرح بے تکلف باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے گویا باغ کی روشوں (پٹریوں) پر تفریح کے لیے چہل قدمی کر رہے ہوں، نہ کوئی دریا میں ڈوبا، نہ کسی کی کوئی چیز ضائع ہوئی، ایک سوار کا پیالہ دریا میں گر گیا، اس نے کہا: خدا کی قسم! پورے لشکر میں صرف میرا پیالہ کبھی ضائع نہیں ہوگا، چناں چہ ایسا ہی ہوا، لشکر جب دریا پار ہو چکا تو ایک موج نے اس پیالے کو کنارے پر پہنچا دیا اور وہ باہر نکال لیا گیا۔

ذرا غور فرمائیں! ایسی طغیانی کی حالت میں ساٹھ ہزار سواروں کا اطمینان وسکون کے ساتھ باہم گفتگو کرتے ہوئے دریا کو عبور کر لینا اور کسی کا جانی

یا مالی نقصان نہ ہونا کتنی عجیب بات ہے!

اور اس سے بھی زیادہ حیرت میں ڈالنے والی بات یہ ہے کہ جو گھوڑا تیرتے ہوئے تھک جاتا تھا اس کے لیے اسی جگہ پانی کے اندر کوئی ٹیلہ ظاہر ہو جاتا تھا جس پر کھڑے ہو کر گھوڑا استا لیتا تھا اور قریب قریب سبھی گھوڑوں کے ساتھ یہ معاملہ ہوا۔

گھوڑے اگر چہ دریا میں تیر سکتے ہیں، مگر اتنے گہرے دریا کو بے انتہا جوش وطغیانی کی حالت میں جبکہ اس کا عرض (چوڑائی) میلوں کا ہو رہا تھا، اتنی آسانی سے طے کر لینا گھوڑوں کی طاقت سے بالکل خارج اور عادتاً ناممکن تھا، جن لوگوں نے ہندوستان میں گنگا جمنا اور دریائے سندھ وغیرہ کو برسات کے زمانے میں دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ ایسے وقت میں ان کو گھوڑوں یا ہاتھیوں کے ذریعہ عبور کرنا ممکن نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے جب ایرانیوں نے یہ خلافِ عقل وقیاس منظر دیکھا تو اتنے مرعوب وہیبت زدہ ہوگئے کہ شہر چھوڑ کر چل دیے اور مسلمان بے روک ٹوک شہر میں داخل ہوگئے (اشاعتِ اسلام: ۱۷۲تا۱۷۸)

جنگلی جانوروں کا جنگل خالی کر دینا

حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے جن کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے افریقہ کا امیر مقرر فرمایا تھا جب افریقہ کے اکثر حصہ کو فتح کر لیا تو قومِ بربر جو افریقہ کے اصلی باشندے تھے، ان میں سے بہت سے قبائل مسلمان ہوگئے تھے اور وہ بھی حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ افریقی ممالک کی فتح میں شریک تھے، لیکن مسلمانوں کے لیے کوئی مستقل چھاؤنی نہ تھی جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ امیرِ افریقہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ جب وہاں سے فارغ ہو کر مصر آتے تو نو مسلم بربر مخالفوں کے ساتھ ہو کر سب عہد و پیمان توڑ ڈالتے اور جو مسلمان وہاں

موجود ہوتے ان کو تباہ کرتے تھے۔

یہ حالت دیکھ کر حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے کسی مناسب جگہ مستقل چھاؤنی بنانے کا ارادہ فرمایا تا کہ ہر وقت وہاں اسلامی فوجیں موجود رہیں، لیکن اس مقصد کے لیے جس جگہ کو پسند فرمایا وہاں اس قدر دلدل، گنجان جنگل اور درخت تھے کہ آدمی تو در کنار سانپوں کو بھی ان درختوں میں سے ہو کر نکلنا دشوار تھا، یہ جنگلی درندوں اور ہر قسم کے موذی اور زہریلے جانوروں کا مسکن (گھر) تھا۔

مسلمانوں نے اس جگہ کو مستقل قیام گاہ بنانے میں جو خطرات تھے ان کو ظاہر کیا تو حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے وہ مصلحتیں ظاہر فرمائیں جو اس جگہ کو اختیار کرنے میں پیش نظر تھیں، مسلمانوں کو حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کی رائے قوی اور راجح معلوم ہوئی، اس لشکر میں اٹھارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے، حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سب کو اپنے ساتھ لے کر اس میدان میں تشریف لے گئے اور جنگل کے جانوروں کو خطاب کر کے فرمایا! اے درندو اور موذی جانورو! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اس جگہ قیام کرنا چاہتے ہیں، تم یہاں سے چلے جاؤ، اس کے بعد ہم جس کو دیکھیں گے قتل کر دیں گے۔

اس آواز میں معلوم نہیں کیا تاثیر تھی! تمام جانوروں میں ہل چل مچ گئی، اور وہ اسی وقت جانے کو تیار ہو گئے، جماعتیں کی جماعتیں وہاں سے نکلنی شروع ہو گئیں، شیر اور بھیڑیئے اپنے بچے اٹھائے ہوئے، سانپ اپنے سپولیوں کو کمر سے چمٹائے ہوئے نکلے جا رہے تھے، یہ ایک نہایت ہیبت ناک و تعجب خیز منظر تھا جو نہ اس سے قبل کہیں دیکھا گیا تھا، نہ کسی کے وہم و گمان تھا، قوم بربر جو ان حالات کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے تھے، ہزاروں کی تعداد میں اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ (اشاعتِ اسلام:۱۹۱)

حیرہ شہر کا حیرت ناک واقعہ

عراق میں داخل ہونے کے لیے حیرہ شہر کی حیثیت دروازے کی تھی، شاہانِ فارس کی طرف سے حیرہ پر بڑا حاکم رہتا تھا اور اسی کی فتح پر گرد و نواح کے تمام قصبات اور شہروں کی فتح کا مدار تھا، اکثر اطراف کے چودھری اس کے انتظار میں تھے کہ حیرہ کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے؟

حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے جب حیرہ کے تمام قصور و محلات کا محاصرہ کر لیا اور محاصرہ طویل ہوا تو اہلِ شہر بے آب و دانہ مرنے لگے اور اپنے راہبوں اور مذہبی رہنماؤں کو برا بھلا کہنا شروع کیا اس وقت حیرہ کا رئیس عمرو بن عبد المسیح اور دوسرے چند عیسائی سردار صلح کی بات چیت کے لیے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، عمرو بن عبد المسیح کی عمر کئی سو سال کی تھی۔

عمرو بن عبد المسیح کے خادم کے پاس ایک تھیلی تھی جس میں زہر تھا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے عمرو سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ اور اسے اپنے ہمراہ کیوں لائے ہو؟ اس نے جواب دیا: یہ فی الفور ہلاک کر دینے والا زہر ہے۔ اور اس کو اپنے ساتھ اس لیے لایا تھا کہ اگر میں آپ لوگوں کو اپنے خیال (یعنی صلح) کے خلاف پاؤں گا تو میں اپنی قوم کے لیے کسی مکروہ اور ناگوار بات کا ذریعہ نہ بنوں گا، بلکہ زہر کھا کر مر جاؤں گا۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تک موت نہیں آتی اس وقت تک کوئی مر نہیں سکتا، یہ کہہ کر آپ نے یہ دعا پڑھی: بِسْمِ اللّٰهِ خَيْرِ الْأَسْمَاءِ وَرَبِّ الْأَرْضِ وَرَبِّ السَّمَاءِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ دَاءٌ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اور زہر کو نگل گئے، تھوڑی دیر بیہوشی رہی، اس کے بعد اٹھ کر بیٹھ گئے اور حسبِ معمول باتیں کرنے لگے، عمرو بن عبد المسیح نے جب یہ حیرت انگیز ماجرا دیکھا تو حضرت خالد سے کہنے لگا: وَاللّٰهِ لَتَبْلُغُنَّ مَا أَرَدْتُمْ مَادَامَ أَحَدٌ مِنْكُمْ،

خدا کی قسم! تم لوگ اپنی مراد کو ضرور پہنچو گے اور جو چاہو گے حاصل کرو گے جب تک تم میں ایسا ایک بھی آدمی باقی رہے گا۔

اس کے بعد اہلِ حیرہ نے ایک لاکھ نوے ہزار یا دو لاکھ نوے ہزار سالانہ محصول پر صلح کر لی۔ (اشاعتِ اسلام: ۱۶۵، تاریخ ابن خلدون ۱/۴۵۸)

جب ہمارے اسلاف کے یہ کارنامے ہیں، تو اگر آج کے نوجوان ان کے نقشِ قدم پر چلیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ویسی اعلیٰ صلاحیتیں ان کے اندر پیدا نہ ہوں، لہٰذا ہمارے نوجوانوں کے لیے ضروری ہے کہ غیروں کی نقالی اور انہی کے طریقے پر آگے بڑھنے کے بجائے اپنے عہدِ ماضی سے واقفیت حاصل کریں اور اپنی شاندار تاریخ کے آئینے میں اپنی اصلیت (اصل قوت) اور صلاحیت معلوم کرنے کی کوشش کریں، ماضی سے صرفِ نظر کر کے ہم نہ تو اپنے حال کی حفاظت اور اصلاح کر سکتے ہیں اور نہ ہی امتِ مسلمہ کے مستقبل کو بہتر بنا سکتے ہیں، امام مدینہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بہت پہلے یہ فرمادیا تھا: لَنْ يُصْلِحَ آخِرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا بِمَا صَلُحَ بِهِ أَوَّلُهَا، اس امت کے آخری دور کے لوگوں کی اصلاح وہی چیز کر سکتی ہے جس کے ذریعہ اس کے پہلے طبقے کی اصلاح ہوئی تھی۔

لہٰذا ہم اپنے نوجوانوں کی عبرت وبصیرت کے لیے پچھلے زمانے کے چند نوجوانوں کا تذکرہ پیش کرتے ہیں جنہوں نے تھوڑی عمر میں وہ کارنامے انجام دیے ہیں کہ آج بڑے بڑے لوگ بھی اس کا عشر عشیر (دسویں حصے کا دسواں حصہ) کرنے سے قاصر ہیں، ہر کہ پدر نہ کرد پسر تمام کرد (جو کام باپ سے نہ ہوسکا، بیٹے نے اسے پورا کر دکھایا)۔

اللہ تعالیٰ یہ جذبہ اور ولولہ ہمارے جوانوں کے اندر بھی پیدا فرمادیں، آمین

سترہ سالہ نوجوان فاتحِ سندھ محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ

آپ لوگوں نے فاتحِ سندھ محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا نام سنا ہوگا جنہوں نے سب سے پہلے ہندوستان پر چڑھائی کی تھی اور راجہ داہر کی زبردست فوج کو شکست دے کر پورا ملک سندھ اور ملتان فتح کر لیا تھا، اس وقت ان کی عمر صرف سترہ یا اٹھارہ سال کی تھی، لیکن جرأت وبہادری اور عقل ودانائی میں وہ بڑوں سے بھی بڑھ کر تھے، چناں چہ لشکر میں بڑے بڑے تجربہ کار لوگ ان کے ساتھ تھے، مگر سب ان کی اطاعت کرتے تھے۔

محمد بن قاسم مشہور عراقی امیر حجاج بن یوسف ثقفی کے داماد تھے۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دورِ خلافت میں جب کہ حجاج بن یوسف عراق کا امیر اور گورنر تھا، عرب کے کچھ مسلمان سوداگر جو بغرضِ تجارت جزیرہ سراندیپ میں ٹھہرے ہوئے تھے، بہ حالت سفر وہیں ان کا انتقال ہوگیا، اور ان کے یتیم بچے اور بیوہ عورتیں وہیں رہ گئیں، سراندیپ کا راجہ مسلمانوں کی فتوحات کا حال سن کر پہلے سے بہت مرعوب ومتأثر اور مسلمانوں سے تعلقات پیدا کرنے کا خواہاں تھا اور اس کے لیے کوئی حیلہ اور موقع تلاش کر رہا تھا، اس نے اس موقع کو غنیمت سمجھا، چناں چہ اس نے خلیفہ ولید اور حجاج کو خوش کرنے اور ان کی عنایات اپنی طرف مبذول ومتوجہ کرنے کے لیے ان عرب سوداگروں کے بچوں اور بیوہ عورتوں کو نہایت اکرام کے ساتھ ایک جہاز (بہت بڑی کشتی) میں سوار کر کے حجاج کے پاس عراق روانہ کر دیا اور بہت سے قیمتی ہدیے اور تحفے بھی حجاج اور خلیفہ ولید بن عبدالملک کے لیے بھیجے، یہ کشتی سراندیپ سے روانہ ہوئی، مگر بادِ مخالف نے اسے سندھ کی بندرگاہ دیبل کے قریب پہنچادیا، وہاں سندھ کے راجا

داہر کے سپاہیوں نے اس کشتی پر حملہ کر کے تمام مال ومتاع کو لوٹ لیا اور بچے اور عورتوں کو قید کرلیا۔

عرب عورتیں اور بچے جب اس بلا میں مبتلا ہوئے تو ایک خاتون کی زبان سے بے اختیار یہ فریاد نکلی: اَغِثْ یَا حَجَّاجُ ''اے حجاج! ہماری مدد کر!''

حجاج کو جب اس واقعہ کی اطلاع پہنچی اور اس مظلوم عورت کی فریاد کی تو وہ بے چین ہوگیا اور بولا: لَبَّیْکَ یعنی ''ابھی میں مدد کے لیے پہنچتا ہوں''

حجاج نے پہلے صلح کے ذریعے کام نکالنا چاہا اور راجا داہر کو خط لکھا کہ وہ کشتی ہمارے پاس آرہی تھی، تمہارے سپاہیوں نے اسے لوٹ لیا، تم ان لٹیروں کو سزا دو اور ہمارے آدمیوں کو ان کے اسباب وسامان کے ساتھ ہمارے پاس واپس بھیج دو، مگر راجا داہر شریر آدمی تھا، اس نے مغرورانہ جواب دیا کہ: یہ سمندر کے ڈاکوؤں کا کام ہے میں اس معاملے میں کچھ نہیں کرسکتا۔

اس کے بعد حجاج نے سب سے پہلے عبداللہ اسلمی کو چھ ہزار فوج کے ساتھ سندھ کی سرحد پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا، عبداللہ اسلمی راجا داہر کی فوج کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوگئے اور یہ مہم ناکام رہی، دوسری بار حجاج نے بدیل نامی سردار کو بھیجا، بدیل بھی میدانِ کارزار میں گھوڑے سے گر کر شہید ہوگئے۔

اس خبر کو سن کر حجاج کو اور زیادہ ملال ہوا، تیسری مرتبہ حجاج نے اپنے سترہ سالہ نوجوان داماد محمد بن قاسم رحمۃ اللہ کو سندھ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا، ذرا غور فرمائیں! سترہ سال کی عمر اور دوسرے ممالک پر چڑھائی! کس قدر حیرت ناک ہے! محمد بن قاسم جب دریائے سندھ کو پار کر کے راجا داہر کے مقابلے پر پہنچے ہیں تو راجا داہر دریا کے کنارے سندھ کے دوسرے راجاؤں کے ساتھ عظیم الشان لشکر لیے پڑا تھا، سندھی فوج کے آگے ہاتھی صف باندھے کھڑے تھے، اور راجا داہر خود ایک سفید ہاتھی پر سوار فوج کی کمان کر رہا تھا۔

محمد بن قاسم رحمۃ اللہ نے جب راجا داہر پر چڑھائی کا ارادہ کیا تو ان کو فکر ہوئی کہ کون سی صورت اختیار کی جائے تاکہ کامیابی اور فتح حاصل ہو، کیوں کہ راجا داہر نے بڑا ساز وسامان جمع کر رکھا تھا، اور پہلے دو حملے ناکام ہوچکے تھے۔ کسی نے خبر دی کہ راجا داہر اپنی بہن سے شادی کیے ہوئے ہے، یہ سنتے ہی کہ اس نے اپنی سگی بہن سے نکاح کر رکھا ہے محمد بن قاسم کی فکر جاتی رہی اور فرمایا: فکر کی کوئی بات نہیں، اب ان شاء اللہ ہم غالب رہیں گے، اس لیے کہ وہ صرف کافر ہی نہیں بلکہ شہوت پرست بھی ہے، کافر میں بہادری ہوسکتی ہے، مگر شہوت پرست اور زانی کے اندر بہادری اور دلیری نہیں ہوسکتی۔

دیکھئے! کیسی فراست تھی کہ ذرا سی دیر میں اس کے جذبات کا پتہ لگالیا، واقعی جو شہوت پرست ہوگا وہ کبھی بہادر نہیں ہوسکتا، چناں چہ دونوں فوجوں میں خون ریز لڑائی ہوئی، بالآخر فتح کا سہرا محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے سر بندھا اور راجا داہر میدانِ جنگ میں مارا گیا۔ راجا داہر کو شکست دینے اور قلعہ پر قبضہ ہوجانے کے بعد محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ جب قلعہ کے اندر داخل ہوئے تو اس وقت دو لڑکیاں قلعے کے اندر راجا کے خاندان کی موجود تھیں جو حسن وجمال میں یکتا (بے مثال) تھیں، جب ان لڑکیوں کی نگاہ محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ پر پڑی تو وہ لڑکیاں ان پر فریفتہ اور عاشق ہوگئیں۔ محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا ایک تو عنفوانِ شباب (جوانی کی ابتداء) کا زمانہ تھا، پھر تقوی اور نورِ ایمان کی جھلک بھی نمایاں تھی، ان سب نے مل کر ان کے حسن کو دوبالا کردیا تھا، غرض دن گزر جانے کے بعد رات کے وقت ان دونوں لڑکیوں نے اچانک چلانا شروع کردیا کہ ہم کو درد ہے۔ محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ اس وقت اپنے خیمہ میں سو رہے تھے ان کو جگایا گیا، جب وہ ان لڑکیوں کے پاس پہنچے اور ان کا حال معلوم کیا تو وہ کہنے لگیں کہ ہم کو درد وغیرہ کچھ نہیں ہے، ہم کو تو آپ کی محبت کا درد ہے، ہماری تمنا ہے کہ ہم براہِ راست آپ کی خدمت کریں۔

محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا، میں تو محکوم ہوں، تم دونوں کو خلیفہ کے پاس بھیج دیا جائے گا، وہ جو چاہیں کریں، مجھ کو کوئی اختیار نہیں، اللہ اکبر! یہ تھا ان کا تقویٰ! ایسی چیز تھی جس نے ان کے اندر اس قدر شجاعت اور بہادری پیدا کر دی تھی۔

خلیفہ ولید بن عبدالملک کا دورِ حکومت

خلیفہ ولید بن عبدالملک کا عہد خلافت، دولتِ بنوامیہ کی پیشانی کا نور ہے، وہ علم وفضل سے تو بے بہرہ تھا، مگر آئین جہاں بانی اور اصول حکمرانی سے پورے طور پر واقف تھا اور خوش قسمتی سے اس کو محمد بن قاسم، قتیبہ بن مسلم، موسیٰ بن نصیر، مسلمہ بن عبدالملک اور طارق بن زیاد جیسے عظیم فاتحین اور سپہ سالار مل گئے، جنہوں نے اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے یورپ اور ایشیا کے میدانوں کو (چین سے اسپین تک) روند ڈالا، اور پوری دنیا الٹ پلٹ ڈالی۔

محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان پر چڑھائی کی اور سندھ سے لے کر ملتان تک تمام علاقے اور شہر فتح کر ڈالے، مسلمہ نے رومیوں کے پرخچے اڑا دیے، قتیبہ نے سمرقند سے کاشغر تک قبضہ کر لیا اور آگے بڑھ کر شاہِ چین کو خراج دینے پر مجبور کر دیا، طارق اور موسیٰ بن نصیر نے افریقہ سے گزر کر اندلس (اسپین) فتح کر ڈالا اور آگے شمالی فرانس تک قبضہ کر لیا (ہماری بادشاہی: ۷۹)

عقبہ بن نافع نے فتح کرتے ہوئے جب مغرب کے بالکل اخیر میں بحر ظلمات (جس کو بحر اوقیانوس اور بحر اٹلانٹک بھی کہتے ہیں جو افریقہ اور امریکہ کے درمیان واقع ہے) کے کنارے پہنچ گئے تو خود گھوڑے پر سوار تھے اور گھوڑے کی ٹانگیں پانی میں تھیں، اس حالت میں خداوند قدوس سے مخاطب ہو کر کہنے لگے: اے پروردگار عالم! افسوس کہ زمین ختم ہوگئی! اگر یہ سمندر درمیان میں حائل نہ

ہوتا تو میں اس طرح تیری وحدانیت کا جھنڈا گاڑتا اور لہراتا چلا جاتا۔ اقبال مرحوم نے اپنے اشعار میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

☆☆☆☆☆☆☆☆

فاتح اندلس طارق بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ

طارق بن زیاد جب سات ہزار کا لشکر لے کر اندلس پر حملہ کے ارادے سے روانہ ہوئے اور لشکرِ اسلام کی کشتیاں سمندر کی موجوں کو چیرتی پھاڑتی ہوئی اندلس کے دل فریب ساحل سے جا لگیں تو طارق بن زیاد نے ساحل پر اترنے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جن کشتیوں میں اس کی فوج سوار ہو کر آئی تھی انہیں آگ لگا دی، تاکہ مسلمان بھاگنے کا وسوسہ بھی اپنے دل میں نہ لائیں، اس طرح اسلامی فوج کے سامنے فتح یا شہادت کے علاوہ تیسرا کوئی راستہ باقی نہیں رہا۔

شاہِ اندلس کو جب مسلمانوں کی آمد کا علم ہوا تو ایک لاکھ کا لشکر جرار ساتھ لے کر مقابلے کے لیے قرطبہ سے روانہ ہوا اور طارق کے بالمقابل پڑاؤ ڈال دیا۔ شاہِ اندلس کی اس عظیم الشان تیاریوں کا حال سن کر طارق نے اپنے سردار موسیٰ سے مزید فوجی امداد طلب کی، موسیٰ نے مزید پانچ ہزار کی جمعیت بھیجی۔ اس طرح طارق بن زیاد کا کل لشکر بارہ ہزار ہو گیا تھا۔

آخر کار ۲۸؍ رمضان المبارک ۹۲ھ کو دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں۔ سپہ سالارِ اسلام طارق بن زیاد نے مجاہدینِ اسلام کے مختصر گروہ

۱؎ (جنگل، صحرا، میدان)

کے سامنے ایک ولولہ انگیز تقریر کی جس کا خلاصہ یہ ہے:

اے لوگو! میدانِ جنگ سے فرار کی کوئی صورت نہیں ہے۔ سمندر تمہارے پیچھے ہے اور دشمن تمہارے آگے صداقت پر استقلال کے ساتھ جمے رہنے ہی میں کامیابی ہے، تعداد اور سامانِ جنگ کے لحاظ سے اس جزیرہ میں تمہاری کچھ حیثیت نہیں۔ اگر تم نے ذرا کم ہمتی سے کام لیا تو صفحۂ ہستی پر تمہارا نام بھی نظر نہ آئے گا، لیکن اگر تم نے جرأت وہمت دکھائی تو اس ملک کی دولت وثروت تمہاری جوتیوں کی خاک ہوگی۔ امیرالمومنین نے تمہاری بہادری وجانبازی پر اعتماد کر کے تمہیں اعلائے کلمۃ اللہ اور غلبۂ اسلام کے لیے اس جزیرہ میں بھیجا ہے، خداوند قدوس اس مقدس مہم میں جس کا ذکر رہتی دنیا تک باقی رہے گا اور جسے عالمِ آخرت میں بھی بھلایا نہ جائے گا تمہاری مدد کرے گا۔ میدانِ جنگ میں میرا قدم تم سب سے آگے رہے گا، میں دشمن کے سردار پر حملہ کروں گا تم بھی میرے ساتھ دشمن پر پل پڑنا۔ اگر میں دشمن کو ہلاک کرنے سے پہلے راہِ خدا میں شہید ہو جاؤں تو کسی اور کو اپنا سردار بنا کر فتح ونصرت سے ہم کنار ہونا۔"

شاہِ اندلس بڑی شان وشوکت کے ساتھ میدانِ جنگ میں آیا، وہ نہایت پر تکلف ہاتھی دانت کی گاڑی میں سوار تھا جس میں چاندی کا کام ہو رہا تھا سفید رنگ کے خچر شاہی گاڑی کو کھینچ رہے تھے۔ بادشاہ کے سر کا سنہری تاج نگاہ کو خیرہ (چکا چوندھ) کر رہا تھا اور ملبوسِ شاہی کے جواہرات ستاروں کو شرما رہے تھے۔ قوم گاتھ کے شہزادے اور اندلس کے اُمرا وروسا (سرداران) اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ جن کی مجموعی تعداد ایک لاکھ تھی اس لڑائی میں شریک تھے۔ سب سے آخر میں کئی ہزار باربرداری کے جانوروں پر وہ رسّے لدے ہوئے تھے جن سے دشمن کے قیدیوں کو باندھنا تھا۔

دوسری طرف سروں پر سفید عمامے باندھے چمکدار زرہ بکتر پہنے، تلوار

حمائل کیے اور نیزہ ہاتھ میں لیے ہوئے بارہ ہزار جیالے مسلمان تھے، اُدھر فخر وناز کے ساتھ گردنیں اکڑی ہوئی تھیں، اِدھر عاجزی وانکساری کے ساتھ بارگاہِ رب العزت میں سر جھکے ہوئے تھے۔ اُدھر اپنی زبردست عسکری طاقت پر اعتماد تھا۔ اِدھر صرف اپنی قوتِ ایمانی پر بھروسہ تھا۔ وہ اپنے وطن کی سرزمین میں لڑ رہے تھے جہاں اُنہیں ہر وقت ہر قسم کی مدد مل سکتی تھی اور مسلمان اپنے وطن سے دور سمندر پار بے یار ومددگار تھے۔ ایک ہفتہ تک معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ آخر کار شوال المکرم ۹۲ھ کی صبح کو فیصلہ کن معرکہ ہوا۔ اندلسی عیسائی بڑی بہادری کے ساتھ لڑے مگر عربی اور بربری مسلمانوں کی تلواروں کے سامنے زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکے۔ مجاہدینِ اسلام کی تکبیروں نے تثلیث پرستوں کے دلوں کو ہلا دیا۔ پہلے وہ لوگ بھاگے جو زبردستی یا لالچ دے کر میدان میں لائے گئے تھے، پھر عام بھگدڑ شروع ہوگئی۔ عیسائی اس قدر گھبراہٹ کے عالم میں بھاگے کہ اُنہیں یہ بھی خیال نہ رہا کہ پسِ پشت دریا ہے، بھاگتے ہوئے ہزاروں عیسائی مسلمانوں کی تلوارِ آبدار کا شکار ہوئے اور ہزاروں دریا کی متلاطم موجوں کی نذر ہوگئے۔

شاہِ اندلس بھی بھاگتا ہوا دریا میں ڈوب گیا اور اس کی لاش بہہ کر سمندر میں چلی گئی۔ اس کا گھوڑا اور مرصّع (جواہرات سے آراستہ) جوتے دوسرے دن دریا کے کنارے ملے۔

اس لڑائی میں مسلمانوں کے ہاتھ اس قدر مالِ غنیمت آیا کہ اس کا صحیح اندازہ بھی مشکل ہے صرف گھوڑے ہی اتنے تھے کہ ساری فوج کے لیے کافی ہوگئے۔

دراصل اس لڑائی نے اندلس کی تاریخ کا ورق الٹ دیا اور آٹھ دن کے ان مسلسل معرکوں نے آٹھ صدیوں کے لیے اندلس کی قسمت کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں کردیا، فَلِلّٰہِ الْحَمْد (تاریخ ملت: ۱۸۴)

سلطانِ اعظم خلیفہ ہارون رشید

سنِ ولادت ۱۴۵ھ مطابق ۷۶۲ء سنِ خلافت ۱۷۰ھ مطابق ۷۸۶ء تا ۱۹۳ھ مطابق ۸۰۹ء کل مدتِ خلافت ۲۳/سال۔

خلیفہ ہارون رشید کا نام سنا ہوگا، خلفاءِ عباسیہ میں یہ نہایت نامور (مشہور) خلیفہ اور خلافت عباسیہ کا گلِ سرسبد (سب سے اچھا پھول) تھا اور اس کا دورِ خلافت دولتِ عباسیہ کا عہد زریں (قیمتی) اور ہر اعتبار سے نہایت ممتاز تھا، ہارون رشید کے دورِ خلافت میں دولتِ عباسیہ دینی، علمی، تمدنی، سیاسی ہر اعتبار سے نہایت مضبوط اور اوج کمال پر پہنچی ہوئی تھی، خواص وعوام اور علما وصلحا سب کے دلوں میں اس کی عظمت وہیبت تھی، علم وہنر، تدبیر وسیاست، فہم وفراست، عزم وثبات، سخاوت وفیاضی اور شجاعت وبہادری جیسے وہ تمام کمالات اور خوبیاں اس کے اندر موجود اور جمع تھیں جو ایک مسلمان دیندار بادشاہ کے اندر ہونی چاہئیں، وہ ایک طرف زبردست حکمراں، شاہانہ شان وشوکت اور بڑے رعب ودبدبہ کا مالک تھا تو دوسری جانب نہایت دیندار، پابندِ شریعت، علم دوست اور علما کا قدرداں بھی تھا، جب وہ صوفیوں کی مجلس میں بیٹھتا تو ایک تارک الدنیا (دنیا سے بے تعلق) درویش نظر آتا، جب فقہا کی مجلس میں ہوتا تو اعلیٰ درجے کا فقیہ اور جب محدثین کی جماعت میں شامل ہوتا تو بہت بڑا محدث معلوم ہوتا تھا، اس کی طبیعت نہایت موزوں واقع ہوئی تھی، جب وہ پیدا ہوا تو اس کا دادا خلیفہ منصور زندہ تھا، اس لیے اس کی تعلیم وتربیت کا خاص اہتمام کیا گیا، ہر علم وفن کی تعلیم کے لیے الگ الگ ماہرین مقرر کیے گئے جو ہارون رشید کی تعلیم وتربیت

کرتے تھے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ آج تک کوئی بادشاہ ایسا نہیں ہوا جس نے حصول علم کے لیے سفر کیا ہو سوائے دو بادشاہوں کے جن میں ایک تو ہارون رشید ہے جس نے اپنے بیٹوں امین اور مامون کو اپنے ساتھ لے کر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے موطا امام مالک پڑھنے کے لیے مدینہ منورہ کا سفر کیا تھا، دوسرے صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنھوں نے موطا کی سماعت کے لیے اسکندریہ کا سفر کیا تھا۔

اسی تعلیم وتربیت کا اثر تھا کہ عظیم القدر بادشاہ ہونے کے باوجود تکلف وتعصب مزاج میں نام کو نہ تھا، مذہبی عقائد وخیالات میں پختہ اور شریعت کے احکام کا بڑا پابند تھا، خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ بغداد میں لکھتے ہیں۔

ہارون رشید فرائض وواجبات کے علاوہ روزانہ سو رکعات نفل پڑھتا تھا، سوائے بیماری اور مجبوری کے کبھی نماز قضا نہیں ہوئی۔ (تاریخ ملت: ۲۰۲)

حج اور جہاد کا شوق

اس کو حج اور جہاد کا بہت شوق تھا، اس کا معمول یہ تھا کہ ایک سال جہاد کے لیے جاتا اور ایک سال خانۂ کعبہ کی زیارت یعنی حج کے لیے، کسی خلیفہ نے اس قدر حج نہیں کیا جس قدر ہارون رشید نے کیے ہیں، اس نے اپنے ۲۳/سالہ دورِ حکومت وخلافت میں آٹھ یا نو حج کیے ہیں، ایک بار مکہ معظمہ سے عرفات تک پاپیادہ گیا تھا، حج کے موقع پر علما وصلحا کثیر تعداد میں اس کے ساتھ ہوتے تھے، حج کے اندر بڑی آہ وزاری کے ساتھ دعائیں مانگتا، مناسک حج (افعال حج) ادا کرتے وقت آنکھوں سے آنسو جاری رہتے۔

فیاضی اور سخاوت

اس کی سخاوت اور داد و دہش کی بھی کوئی حد نہ تھی، علانیہ اور خفیہ دونوں طرح سے خوب خیر خیرات کرتا تھا، ذرا ذرا سی بات پر بڑے بڑے انعام سے نوازتا تھا، ایک دفعہ قاضی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو بلایا اور کوئی مسئلہ دریافت کیا، قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بتا دیا تو ہارون رشید نے خوش ہو کر ایک لاکھ درہم دینے کا حکم دیا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ درہم ہمیں صبح ہونے سے پہلے مل جانے چاہییں، خلیفہ نے حکم دیا: فوراً ادا کیے جائیں، ایک مصاحب بولا: حضور! اس وقت خزانچی نہیں ہے اور خزانے کا دروازہ بھی بند ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: دروازے تو اس وقت بھی بند تھے جب میں بلایا گیا تھا، یہ سن کر فوراً خزانہ کھلوایا گیا اور ایک لاکھ درہم امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کر دیے گئے۔ (تاریخ الخلفاء: ۱۵۸)

عشق رسول

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو والہانہ محبت تھی، جب کبھی کوئی اس کے سامنے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی لیتا تو بے قرار ہو جاتا، ایک دفعہ محدث ابو معاویہ رحمۃ اللہ علیہ نے ہارون رشید کے سامنے ایک حدیث بیان کی، درباریوں میں سے کسی نے اس پر کوئی اعتراض کیا، ہارون رشید جوش غضب سے لبریز ہو گیا اور کہا یہ شخص زندیق (بے دین، دین کے اندر شکوک وشبہات پیدا کرنے والا) ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر اعتراض کرتا ہے اور اسی وقت تلوار منگوائی، محدث ابو معاویہ رحمۃ اللہ علیہ نے سمجھا بجھا کر ہارون

رشید کا غصہ ٹھنڈا کیا، تب جا کر اس کی جان بچی (تاریخ ملت: ۲۰۷)

بزرگانِ دین اور نیک لوگوں سے محبت وعقیدت

اسے علما صلحا کی صحبت بھی بہت مرغوب ومحبوب تھی، مشہور محدث حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور مشہور بزرگ حضرت فضیل بن عیاض اور ابن سماک رحمۃ اللہ علیہما سے بڑی عقیدت رکھتا تھا، اور ان سے درخواست کر کے پند ونصائح سنتا تھا، ایک مرتبہ حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ سے نصیحت کی درخواست کی تو انہوں نے فرمایا، خدا سے ڈر جس کا کوئی شریک نہیں اور اس پر یقین رکھ کہ کل تجھے خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور اس وقت تجھے دو مقاموں میں سے ایک کو اختیار کرنا ہے اور وہ جنت اور دوزخ ہے، اس کے علاوہ تیرا کوئی مقام نہیں، یہ سن کر ہارون رشید اتنا رویا کہ ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔

ایک دفعہ حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ ہارون رشید کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، خلیفہ کو پیاس لگی اس نے پانی طلب کیا، پانی آ گیا، جب اس نے پانی پینا چاہا تو حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اے امیر المومنین! ذرا ٹھہر جایئے! ہارون رشید ٹھہر گیا، حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اگر پیاس کی شدت میں آپ کو پانی نہ ملے تو اس کے لیے آپ کتنا مال خرچ کر سکتے ہیں؟ ہارون رشید نے کہا، آدھی سلطنت خرچ کر دوں گا، حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اب آپ پانی پی لیجیے، ہارون رشید جب پانی پی چکا تو حضرت سماک نے پھر فرمایا اے امیر المومنین! اگر یہ پانی پیٹ میں ہی رہ جائے باہر نہ نکلے تو اس کے نکلوانے میں آپ کتنا مال خرچ کر سکتے ہیں؟ خلیفہ نے کہا: ضرورت پڑنے پر پوری سلطنت دے دوں گا، حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: خوب سمجھ لیجیے! آپ کی تمام دولت اور سلطنت کی قیمت اور حیثیت بس اسی قدر ہے (جو ایک گلاس پانی اور اس کے پیشاب میں ختم ہو سکتی ہے) لہٰذا اس پر مغرور نہ

ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کے لیے خون کا ایک قطرہ بھی بہایا جائے، اور وہ ہونا چاہیے ، ہارون رشید اس حکیمانہ نصیحت کو سن کر رو پڑا اور بہت دیر تک روتا رہا۔ بعض نے لکھا ہے کہ اُس زمانے میں تین آدمی نہایت رقیق القلب تھے، خوف خدا اور خشیتِ الٰہی کی وجہ سے ہر وقت ان کے پلکوں پر آنسو رہتے تھے، ایک مشہور بزرگ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ، دوسرے ابو عبدالرحمٰن اور تیسرے خلیفہ ہارون رشید، رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ (تاریخ اسلام:۲/۱۳۴)

حیرت انگیز شجاعت وبہادری

ہارون رشید کو جنگ و جہاد کا پیدائشی شوق تھا، وہ بڑی خوشی اور مسرت کے ساتھ گھوڑے کی پشت پر مہینے اور سال گزار دیتا تھا، لڑائیوں میں اکثر لشکر کے ساتھ جاتا اور فوج کے آگے رہتا، ایک دفعہ محدث ابو معاویہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”میری آرزو ہے کہ خدا کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں“ اس حدیث کو سن کر روتے روتے ہارون رشید کی ہچکی بندھ گئی (تاریخ اسلام:۲/۱۳۱) اسی شوق وولولے کا اثر تھا کہ وہ ایک سال حج کے لیے جاتا تو دوسرے سال جہاد میں شریک ہوتا

اس نے اپنے ۲۳/سالہ دورِ حکومت میں جو ممالک فتح کیے ہیں اس کی فہرست بہت لمبی ہے، اس کے زمانے میں رومیوں سے بہ کثرت معرکہ آرائیاں (لڑائیاں) ہوئیں اور تقریباً ہر سال فوج کشی ہوتی تھی، بہت سی لڑائیوں میں وہ خود سپہ سالار بن کر شریک ہوتا اور بعض میں شاہی خاندان کے معزز افراد کو افسر بنا کر بھیجتا تھا، اس سلسلے کا ایک اہم معرکہ (لڑائی) ایشیائے کوچک پر حملہ ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ اُن دنوں رومیوں کا بادشاہ ایک ملکہ (عورت) تھی جو ہارون

رشید کی باج گزار (خراج اور ٹیکس دینے والی) تھی اس نے اپنے اندر مقابلے کی تاب نہ پاکر سالانہ خراج دینے کے وعدے پر ہارون رشید سے صلح کرلی تھی، رومیوں نے جب اس ملکہ کو معزول کر کے اس کی جگہ نیسی فورس یا نقفور نامی شخص کو بادشاہ بنادیا تو اس نے ہارون رشید کو خراج کی وہ رقم جو پہلے سے طے تھی ادا کرنے سے انکار کردیا اور ہارون رشید کو خط لکھا کہ ملکہ نے جو کچھ کیا وہ اس کی کمزوری اور حماقت تھی، اس نے اپنی فطری کمزوری اور ضعفِ عقل کی وجہ سے تم سے دب کر صلح کرلی تھی اور سالانہ خراج تمہیں دیا کرتی تھی، لہٰذا میرا خط پڑھتے ہی جس قدر خراج اب تک تم ہماری (روم کی) سلطنت سے وصول کر چکے ہو وہ فوراً واپس کردو اور جرمانے میں ہم کو خراج دینا منظور کرو، ورنہ تلوار سے تمہارا فیصلہ کردیا جائے گا۔

جب یہ خط خلیفہ ہارون رشید کے پاس پہنچا اور اس نے پڑھا تو اس کے چہرے پر اس قدر طیش اور غصے کے آثار ظاہر ہوئے کہ امیروں اور وزیروں کے ہوش اُڑ گئے، کسی کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی مجال نہ تھی، وزیر لوگ چپ چاپ دربار سے کھسک گئے، ہارون رشید نے اسی وقت اس خط کی پشت پر جواب میں یہ الفاظ لکھے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مِنْ هَارُوْنَ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِلٰی کَلْبِ الرُّوْمِ قَدْ قَرَأْتُ کِتَابَکَ یَا ابْنَ الْکَافِرَةِ وَالْجَوَابُ مَا تَرَاهُ دُوْنَ مَا تَسْمَعُهُ یعنی یہ خط امیر المومنین ہارون رشید کی طرف سے رومی کتے نقفور کی جانب، اے کافر کی اولاد! میں نے تیرا خط پڑھا، اس کا جواب سننے کے بجائے تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔ (تاریخ ملت:۱۸۸)

جواب لکھ کر خط واپس کیا اور اسی روز فوج لے کر بغداد سے بلادِ روم کی

طرف چڑھائی کے ارادے سے روانہ ہوگیا اور جاتے ہی رومیوں کے دارالسلطنت ہرقلہ کا محاصرہ کرلیا، رومیوں کے بادشاہ (نقفور) میں اتنا دم کہاں تھا جو مقابلہ کرتا، خلیفہ کو دیکھ کر ہی اس کے ہوش اُڑ گئے، اور خلیفہ کی خدمت میں اپنی غلطی کا اعتراف کرکے معافی کا خواہاں ہوا اور حسبِ سابق جزیہ (خراج، ٹیکس) دینے کا وعدہ کیا۔

ہارون رشید اس طرح نقفور کو مغلوب وذلیل کرکے پہلے سے زیادہ خراج ادا کرنے کا عہد لے کر واپس ہوا، مگر وہ ابھی راستے ہی میں تھا کہ نقفور نے بغاوت کردی اور عہد توڑ ڈالا، دراصل اُس نے یہ سمجھا کہ اس وقت سردی کا موسم ہے موسمِ سرما کی شدت کی وجہ سے مسلمانوں کا لشکر فوراً حملہ آور نہیں ہوسکتا، ہارون رشید کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ سنتے ہی آگ بگولہ ہوگیا اور فوراً وہیں سے واپس آگیا اور نقفور کی اس بدعہدی کے انتقام میں رومی سلطنت کے مختلف حصوں پر یورش شروع کردی اور بہت سے قلعوں کو فتح کرکے مسمار کردیا، ہارون رشید کے اس لگاتار حملوں سے نقفور گھبرا گیا، اس نے پھر عاجزانہ معافی کی درخواست پیش کی، ہارون رشید نے اس سے خراج کی رقم بہ تمام وکمال وصول کی اور بلادِ روم کے اکثر حصوں پر اپنا قبضہ جما کر واپس ہوا۔

وسعت سلطنت

ہارون رشید کی سلطنت کا رقبہ بہت وسیع تھا اس کی سلطنت کی حدیں ہند اور تاتار سے بحر اوقیانوس (پرانی دنیا اور نئی دنیا کے درمیانی سمندر) تک پھیلی ہوئی تھیں، اندلس اور مراکش کے علاوہ پورا عالم اسلام اس کے زیرِ نگیں تھا، روم ویونان عیسائیوں کی دو بڑی بڑی سلطنتیں تھیں جن پر یورپ کو ناز تھا، یہ دونوں سلطنتیں ہارون رشید کی باج گزار (ٹیکس ادا کرنے والی) تھیں، دور دراز ملکوں

سے سالانہ خراج آتا تھا، ایک مرتبہ ہارون رشید نے اپنی سلطنت کی غیر معمولی وسعت کا اظہار ان الفاظ میں کیا کہ بادل کے اس ٹکڑے کو جو بغیر برسے ان کے اوپر گزر رہا تھا، خطاب کرتے ہوئے کہا: اے بادل! تو جہاں چاہے برس! لیکن تمہارا عشر وخراج ہمارے ہی پاس آئے گا یعنی تیرے پانی سے فائدہ بہرحال ہمیں ہی پہنچے گا۔

اتنی کم عمر اور اتنا بڑا کام

خلیفہ ہارون رشید مسند خلافت پر جس وقت جلوہ افروز ہوا تھا اور حکومت وسلطنت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی تھی اس وقت اس کی عمر صرف ۲۵/سال کی تھی، لیکن اس نے اپنی خداداد (اللہ کی دی ہوئی) صلاحیتوں اور علم وہنر کی بدولت عالمِ اسلام کو جگمگا دیا، اس کا دورِ حکومت وسلطنت، خلافت عباسیہ کا سب سے شاندار اور ہر اعتبار سے ممتاز دور شمار ہوتا ہے، بغداد جو دولتِ عباسیہ کا دارالسلطنت (پایۂ تخت) تھا، ہارون رشید کے دورِ خلافت میں اس کی رونق اور آبادی کا کیا کہنا! وہ اسلامی عظمت وشوکت کے ساتھ دولتِ عباسیہ کی تعمیر وترقی کا سب سے بڑا نشان بن گیا تھا، طرح طرح کی عمارتیں، قسم قسم کے باغات، عمدہ عمدہ محلات، خوب صورت خوب صورت مسجدیں، صاف ستھری سڑکیں، ہرے بھرے بازار، دنیا کی کون سی چیز تھی جو وہاں نہ تھی؟ مال ودولت اور روپے پیسے کی ریل پیل تھی، اور صرف بغداد کی یہ حالت نہ تھی بلکہ سارے ہی ملک میں نور برس رہا تھا، گاؤں گاؤں خوشحالی پھیلی ہوئی تھی، غرض ہر طرف عجیب خیر وبرکت نظر آتی تھی اور بادشاہ خوش، رعایا خوش حالی اور ملک سرسبز وشاداب کا حسین منظر تھا
(خطیب، ذکر بغداد، تاریخ اسلام: ۲/۳۷۷)

ذرا غور فرمائیں! بادشاہ اتنا کم عمر اور سلطنت کی وسعت اور عروج وترقی کا یہ عالم! کس قدر حیرت ناک ہے!

آسمانی بجلی سلطان بایزید یلدرم

سلاطین عثمانیہ میں ایک بادشاہ گزرا ہے بایزید یلدرم، یہ بے نظیر فاتح بادشاہ تھا، اس نے اپنی شمشیر خاراشگاف (پتھر کو چیر ڈالنے والی تلوار) کی بدولت دشمنوں کو اپنے زمانے میں لرزاں وترساں اور سرنگوں کر رکھا تھا، ترکی زبان میں یلدرم کے معنی ''بجلی'' کے ہیں، یہ بادشاہ واقعی دشمنوں کے حق میں آسمانی بجلی سے کم نہیں تھا۔

عثمانی سلاطین میں چوں کہ دین داری بدرجۂ اتم تھی، اس لیے وہ مسلم سلاطین سے لڑنے اور مسلمانوں کے مقبوضہ ملکوں کو اپنے قبضہ میں کرنے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے، چناں چہ شروع ہی سے سلاطین عثمانیہ کی حکمت عملی یہ رہی کہ عیسائیوں سے جہاد کرکے جہاں تک ممکن ہو عیسائی ممالک فتح کیے جائیں اور اسلامی تہذیب وتعلیمات کی اشاعت کرکے یورپ کو شائستہ بنایا جائے۔

سلطان بایزید بھی اپنے بزرگوں کی اس حکمت عملی پر پوری طرح کاربند رہا اور مسلمانوں سے لڑنے کے بجائے شریر عیسائیوں کو اپنی تلوار کا نشانہ بنایا، یہ ایسا مجاہد تھا جس نے عیسائیوں کے دانت کھٹے کر رکھے تھے، جب کبھی کسی جانب عیسائیوں کی شرارت وبغاوت کی خبر سنتا فوراً برق وباد (بجلی وہوا) کی طرح پہنچ جاتا، اس کے نام سے ہی یورپ لرزتا تھا، ایک مرتبہ ۱۳۹۶ء میں یورپ کی ساٹھ ریاستوں نے مل کر چھ لاکھ فوج کے ساتھ اس پر حملہ کر دیا اور جن ساٹھ ریاستوں نے حملہ کیا تھا ان میں سے ہر ریاست کے بادشاہ نے اس جنگ میں اپنا شہزادہ بھیجا تھا، اس طرح گویا یورپ کے ساٹھ شہزادے اپنی اپنی فوج لے کر اس پر حملہ

آور ہوئے جس کا مقابلہ بایزید نے صرف بیالیس ہزار ترک فوجوں سے کیا، لیکن اس کے باوجود عیسائیوں نے شکست کھائی اور مسلمانوں نے ان کو مار بھگایا، اور اتنا ہی نہیں، بلکہ بایزید نے ان ساٹھ شہزادوں کو زندہ گرفتار کر لیا، چند روز ان شہزادوں کو اعزاز واکرام کے ساتھ خیموں میں رکھا پھر بلا کر ان سے پوچھا: بتاؤ! میں تم لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کروں؟

شہزادوں نے جواب دیا: ہم آپ کے قیدی ہیں، آپ فاتح ہیں ہم مفتوح، آپ کو مکمل اختیار ہے کہ جو چاہیں کریں، چاہیں تو قتل کر دیں اور چاہیں تو غلام بنالیں۔

سلطان بایزید نے کیا جواب دیا؟

اور کوئی ہوتا تو ایسے دشمنوں کو کسی بھی قیمت پر چھوڑنے کے لیے تیار نہ ہوتا، اور اگر چھوڑتا بھی تو اس شرط اور وعدے پر کہ آئندہ کبھی ہم پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہ کرو گے، لیکن سلطان بایزید نے ان کے ساتھ جو معاملہ کیا وہ نہایت عجیب اور اس کی بے مثال جرأت وہمت کا آئینہ دار ہے، سلطان نے کہا: میں تم سب کو چھوڑ دوں گا، صرف میری ایک شرط ہے وہ یہ کہ تم مجھ سے وعدہ کرو کہ تم سب اپنے وطن واپس جا کر پورے سال جنگ کی تیاری کرو گے پھر آئندہ سال تم سب مل کر میرے اوپر حملہ کرو گے، اگر تم لوگ یہ وعدہ کرتے ہو تو میں تم کو ابھی رہا کرتا ہوں، ورنہ نہیں چھوڑوں گا۔

اللہ اکبر! کیا ٹھکانہ ہے اس جرأت کا! واقعی مسلم سلاطین اسلامی شوکت وعظمت کے عظیم نشان تھے، اور فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم: **الإسلام يَعلُوا وَلَا يُعلىٰ** (اسلام غالب ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا) کی عملی تصویر تھے، ان کی بدولت اسلام دنیا میں غالب تھا، دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت انہیں مرعوب ومتاثر نہ کرسکتی تھی اور نہ شاہانہ جاہ وجلال اور ظاہری کرّ وفر کی ان کی نگاہ میں کوئی

حیثیت تھی، اقبال مرحوم نے اپنے اشعار میں کیا ہی خوب نقشہ کھینچا ہے:

شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہاں داروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی
ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میدان سے اکھڑ جاتے تھے
تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے
تیغ کیا چیز ہے! ہم توپ سے لڑ جاتے تھے

سچ ہے جو اللہ تعالیٰ کے جاہ وجلال سے آشنا ہوجاتا ہے وہ دنیا والوں کے ٹھاٹ بھاٹ اور لاؤ لشکر کو پیروں کی گرد کے برابر بھی نہیں سمجھتا، اس کو پہاڑ بھی رائی معلوم ہوتا ہے۔

دل میں ہے جس کے تری بڑائی
گنتے ہیں وہ پربت کو رائی

☆☆☆☆☆☆☆

۲۳ رسالہ نوجوان، فاتحِ قسطنطنیہ سلطان محمد خاں

ترک کے نوجوان سلاطین میں ایک بادشاہ گزرا ہے جس کا نام سلطان محمد فاتح ہے، یہ بڑا بہادر اور فاتح بادشاہ تھا، جنگ کا اس کو خاص ملکہ تھا، اس کا عہدِ حکومت جنگوں میں گزرا ہے، اکثر فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے کر ملکوں کو فتح کرنے نکلتا، بڑے بڑے جنرل اس کی جنگی قابلیت کا لوہا مانتے تھے، چناں چہ اس نے اپنے عہد سلطنت میں بارہ عیسائی ریاستیں اور دو سو سے زیادہ شہر و قلعے فتح کیے (تاریخ اسلام: ۳/۱۷ ۵) اور سوائے ایک معرکہ کے کبھی اس کو ناکامی کا منہ دیکھنا نہیں پڑا، لیکن اس کا سب سے بڑا کارنامہ قسطنطنیہ کی فتح ہے، جن کو بڑے بڑے سلاطین فتح نہ کرسکے اور اس نے اپنی خداداد شجاعت و مردانگی سے صرف ۲۳/۲۴ سال کی عمر میں فتح کرلیا۔

قسطنطنیہ کا تعارف:

قسطنطنیہ دنیا کا ایک نہایت مشہور شہر ہے، اسے استنبول یا اسلام بول بھی کہتے ہیں، دنیا میں یہ اول درجے کی بندرگاہ (جہازوں اور کشتیوں کے ٹھہرنے اور لنگر انداز ہونے کی جگہ) ہے، نہایت خوبصورت اور دنیا بھر کے شہروں میں زیادہ خوش منظر ہونے کے علاوہ آب وہوا کے لحاظ سے بھی بہت مشہور ہے۔ قدیم زمانے سے صدیوں تک شاہانِ روم پھر سلاطین ترک کا دار الخلافہ (پایۂ

غیاث اللغات میں اس کا تلفظ قُسْطَنْطِیْنِیَّہ لکھا ہے اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں اس کو دو طرح سے نقل کیا ہے: (۱) قُسْطَنْطِیْنِیہ (۲) قُسْطُنْطِیْنَہ (شرح مسلم: ۲/۳۹۲، باب قتال الروم) اور اردو والے عام طور پر قسطنطنیہ بولتے ہیں۔

تخت) رہا ہے۔ قسطنطین نامی ایک بادشاہ گزرا ہے اس نے ۳۰۶ء یا ۳۲۷ء میں اس شہر کو آباد کیا تھا، تا کہ وہ اپنا پایۂ تخت بنائے اور اس کا نام روما جدید رکھا، مگر وہ اپنے بانی قسطنطین کے نام پر قسطنطنیہ سے مشہور ہوا، بعد میں سلطان محمد فاتح نے جب اس کو فتح کیا تو اس کا نام اسلام بول رکھا۔

قسطنطین بادشاہ پہلے بت پرست تھا، لیکن بعد میں اس نے دین عیسوی قبول کرلیا تھا اور اس شہر کو حضرت مریم علیہا السلام کی نذر کر کے خوب خوشی منائی تھی اس کے بعد سے یہ عیسائیوں کا مخصوص شہر سمجھا جانے لگا۔ اس شہر پر مختلف قوموں نے مختلف زمانوں میں چڑھائی کیں، مگر وہ نقصان و بربادی سے محفوظ رہا۔

قسطنطنیہ پر سب سے پہلا حملہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہر پر مسلمانوں کے حملے کی پیش گوئی فرمائی تھی اور اپنی امت کے اس لشکر کے لیے مغفرت کی بشارت بھی سنائی تھی جو اس پر سب سے پہلے حملہ آور ہوگا (بخاری: ۲۷۶٦) اس لیے مسلم سلاطین کو شروع ہی سے اس کی فتح کا بڑا شوق تھا، مسلمانوں نے سب سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اس پر چڑھائی کی گئی تھی اور یہ حملہ ۴۵ ھجری میں یزید کی سربراہی میں ہوا تھا، اس میں حضرات حسنین (حسن وحسین) رضی اللہ عنہما اور دوسرے بہت سے صحابہ بھی شریک تھے، اسی لڑائی میں محاصرہ کے دوران مشہور صحابی حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کا قسطنطنیہ کے باہر انتقال ہوگیا اور اسی جگہ ان کی قبر بنائی گئی، انہوں نے مرنے سے پہلے یہ وصیت کی تھی کہ دفن کے لیے مجھے قسطنطنیہ کی دیوار کے قریب جتنا قریب لے جاسکو اتنا قریب لے جاکر دفن کرنا، چناں چہ ان کو قسطنطنیہ کی دیوار کے قریب لے جاکر

دفن کردیا گیا، عیسائیوں نے کئی دفعہ چاہا کہ ان کی قبر کو وہاں سے اکھاڑ کر پھینک دیں، مگر ہمیشہ مسلمانوں کی ناراضگی کے خوف سے وہ اپنا ارادہ پورا نہ کرسکے، رومی لوگ اپنے دورِ سلطنت میں اس قبر پر حاضر ہوکر بارش کی دعائیں بھی مانگا کرتے تھے۔

پہلے حملے میں مسلمانوں نے بڑی بہادری اور جاں بازی دکھائی، عبدالعزیز بن زرارہ کلبی کا تو یہ حال تھا کہ شوقِ شہادت میں بار بار آگے بڑھتے اور دشمن کی صفوں کو درہم برہم کردیتے تھے، تاہم اس وقت یہ شہر فتح نہ ہوسکا، بلکہ فتح ہوتے ہوتے رہ گیا۔

دوسرا زبردست حملہ:

پھر ۹۸ھ میں خلیفہ ولید بن عبدالملک کے بھائی سلیمان بن عبدالملک نے اپنے عہدِ حکومت میں بڑے سازوسامان کے ساتھ اپنے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کو قسطنطنیہ کی فتح کے لیے روانہ کیا، ایک لاکھ بیس ہزار کا ایک لشکر خشکی کی راہ سے اور اسی تعداد کا دوسرا لشکر سمندر کے راستے سے قسطنطنیہ کی طرف بڑھا اور شہر کا ہر طرف سے محاصرہ کرلیا۔ مسلمان اس عزم سے آئے تھے کہ وہ شہر کو فتح کیے بغیر واپس نہ جائیں گے، چناں چہ انہوں نے قسطنطنیہ کے متصل ایک نیا شہر بسا دیا اور اپنی ضروریات کے لیے غلہ اور ترکاری کے کھیت بودیے۔

رومیوں نے جب مسلمانوں کے یہ حوصلے دیکھے تو انہوں نے صلح کی پیش کش کی، مگر مسلمہ نے اس پیش کش کو رد کردیا اور بذریعہ شمشیر شہر کے دروازے کھولنے کے عزم کا اعلان کیا۔

اب رومیوں نے ایک دوسری تدبیر کی، سلطنتِ روم کا اندرونی نظام اُن

دنوں مختل ہورہا تھا۔ ملک میں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ بیس سال کے اندر اندر چھ قیصر تخت نشین ہوکر معزول ہو چکے تھے، انہیں کسی مدبر و منتظم بادشاہ کی ضرورت تھی جو اس وقت قوم کے بیڑے کو اسلامی حملہ کے طوفان سے صحیح وسلامت لے کر نکل جائے، اِدھر مسلمہ کی فوج میں ایک رومی سردار (لیون) تھا جو اس مہم میں مشیر کار اور معتمد علیہ تھا۔ رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان نامہ وپیام بھی اسی کی معرفت ہوتا تھا۔ رومیوں نے اس سے خفیہ طور پر یہ معاہدہ کرلیا کہ اگر وہ مسلمانوں کو ناکام لوٹادے تو اسے رومی لوگ بزنطینی حکومت کا فرماں روا تسلیم کرلیں گے۔

چناں چہ اس مرتبہ جب لیون مسلمہ کے ایلچی کی حیثیت سے قسطنطنیہ سے واپس آیا تو اُس نے مسلمہ سے کہا:

''رومی قسطنطنیہ کو چھوڑنے کے لیے تیار ہیں مگر وہ یہ چاہتے ہیں کہ لشکرِ اسلامی محاصرہ اُٹھا کر دور چلا جائے تاکہ وہ اطمینان کے ساتھ اپنا ساز وسامان لے کر شہر سے چلے جائیں۔ مسلمہ نے کسی قدر تامل کے بعد لیون کے اعتماد پر اس تجویز کو قبول کرلیا۔''

اسلامی فوجوں کے ہٹتے ہی رومیوں نے مسلمانوں کی خوراک کے تمام ذخائر کو راتوں رات شہر میں منتقل کرلیا اور فصیل بھی جہاں جہاں سے شکستہ ہوگئی تھی اُسے درست کرلیا اور لیون کو اپنا سردار بنا کر مسلمانوں کے مقابلہ پر نئے سرے سے صف آراء ہوگئے۔

ایک دوسری مصیبت مسلمانوں پر یہ نازل ہوئی کہ اس سال اس قدر سردی پڑی کہ عرب اسے برداشت نہ کرسکتے تھے تاہم مسلمانوں کے عزم واستقلال میں فرق نہ آیا اور وہ ان مصائب میں محصور ہوکر بھی برابر دشمن سے

جنگ کرتے رہے، لیکن خلیفہ سلیمان جو اسلامی لشکر کی پشت پناہی کررہا تھا اور ہر قسم کی امداد پہنچاتا رہتا تھا، اسی دوران اس کا انتقال ہوگیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز اس کے جانشین منتخب ہوئے، انہوں نے مسلمہ کو واپسی کا حکم دیا، چناں چہ اسلامی لشکر جان ومال کے کثیر نقصانات اٹھا کر ناکام واپس آگیا (تاریخ ملت: ۴۷)

سلطان محمد فاتح سے پہلے آٹھ حملے:

پھر اسی طرح خلفاءِ بنو عباس کے دورِ حکومت میں کئی مرتبہ قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی تیاریاں ہوئیں، مگر ہر دفعہ کوئی نہ کوئی ایسا مانع پیش آگیا کہ جس سے یہ کام ناتمام رہا، یہ فتح دراصل اللہ پاک نے سلطان محمد فاتح کی قسمت میں لکھی تھی اس لیے زمانے کو ان کا انتظار تھا۔

سلطان محمد فاتح سے پہلے سلطان بایزید یلدرم نے بھی قسطنطنیہ کی فتح کا ارادہ کیا تھا اور بہت مؤثر طریقے سے قسطنطنیہ کا محاصرہ بھی کرلیا تھا اور قریب تھا کہ یہ شہر فتح ہوجائے، لیکن اچانک پیچھے سے تیمور لنگ اس پر حملہ آور ہوگیا جس کی وجہ سے بایزید کو فوراً قسطنطنیہ کا محاصرہ اٹھانا پڑا، اس طرح سلطان محمد فاتح سے پہلے مسلمانوں نے قسطنطنیہ پر تقریباً آٹھ حملے کئے مگر اس کی فتح کا خواب پورا نہ ہوسکا (ہماری بادشاہی: ۱۴۱)

آخری حملہ اور رومیوں کی طرف سے دفاع کی زبردست تیاری:

۸۵۵ھ میں سلطان محمد فاتح رحمۃ اللہ علیہ تخت نشین ہوئے اور حکومت کی باگ ڈور ہاتھ میں لینے کے ساتھ ہی اپنے باپ کی وصیت کے مطابق فتح قسطنطنیہ کی تیاری شروع کردی، اور ڈیڑھ سال بعد ۲۶/ربیع الاول ۸۵۷ھ کو

سلطان محمد فاتح نے باقاعدہ قسطنطنیہ کا محاصرہ شروع کیا، جب قسطنطنیہ کے بادشاہ کو جواُن دنوں قسطنطین یازدہم تھا سلطان محمد فاتح کی تیاری کا علم ہوا تو اس نے بھی بلاتوقف جنگی تیاریاں شروع کردیں، چناں چہ ایک طرف اس نے روما کے پوپ کو خط لکھا کہ اب وقت آگیا ہے ہم لوگ مذہبی اختلافات کو مٹادیں اور سب مل کر مسلمانوں کا مقابلہ کریں، لہذا آپ کی طرف سے یہ اعلان ہونا چاہیے کہ عیسائی مجاہدین قسطنطنیہ کو بچانے اور سلطنتِ عثمانیہ کو زیر کرنے کے لیے جوق در جوق جمع ہوکر مسلمانوں کے مقابلے پر پہنچیں، شاہ قسطنطین کی یہ کوشش بہت کارگر اور مفید ثابت ہوئی، پوپ نے پوری سرگرمی کے ساتھ عیسائیوں کو لڑائی کے لیے آمادہ ہونے کی ترغیب دی جس کے نتیجے میں عیسائی مجاہدین کی زبردست فوجیں قسطنطنیہ پہنچ گئیں اور مختلف ملکوں نے اپنی بحری اور برّی (سمندری اور خشکی کی) فوجیں بطورِ امداد روانہ کردیں۔

دوسری طرف شاہِ قسطنطنیہ نے شہر کی فصیل (چہاردیواری) کو نہایت مضبوط اور بندرگاہ کو حفاظتی سامانوں سے محفوظ کرنا شروع کردیا، خاص شہر قسطنطنیہ کے اندر ایک لاکھ سے زیادہ عیسائی آدمی موجود تھے، تمام باشندگانِ شہر سے چندے وصول کیے گئے، اور عیسائیوں کو ترغیب دی گئی کہ وہ اب آرام طلبی چھوڑ کر شہر کی حفاظت، اور مسلمانوں کے حملے کی مدافعت میں اپنی تمام طاقتیں صرف کردیں، اسی طرح قسطنطین بادشاہ نے شہر کے اندر سامانِ رسد اور غلہ وغیرہ حد سے زیادہ جمع کرلیا، یورپ کے ملکوں سے جنگی آلات وہتھیار اور سامانِ خورد ونوش (کھانے پینے) کی چیزوں سے لدی ہوئی کشتیوں کا تانتا بندھا ہوا تھا، اٹلی اور دوسرے ملکوں سے معمار، انجینئر اور تجربہ کار جنگی سردار قسطنطنیہ کی حفاظت اور شکست وریخت (ٹوٹ پھوٹ) کو درست کرنے کے لیے جمع ہو

گئے، سمندر کی جانب بندرگاہ کے دہانے پر ایک مضبوط لوہے کی زنجیر اس طرح دونوں جانب بندھی ہوئی تھی کہ کسی جہاز کا بندرگاہ میں داخل ہونا کسی بھی طرح ممکن نہ تھا، جب شہر والے خود چاہتے تو زنجیر کو ڈھیلا کرکے سمندر کی گہرائی میں ڈال دیتے اور جہاز جہاں اندر داخل ہوجاتا، زنجیر کھینچ دی جاتی، پھر کسی دوسرے جہاز کا داخل ہونا ناممکن ہوجاتا تھا۔

شہر کی فصیل چودہ میل میں تھی جو نہایت مضبوط اور ناقابلِ تسخیر تھی، فصیل کے چاروں طرف گہری خندق کھدی ہوئی تھی جو ناقابلِ عبور تھی اور خندق وفصیل کی حفاظت اور دیکھ بھال کے لیے فصیل کے باہر جابجا برج اور گنبد بنے ہوئے تھے جن میں توپیں اور تیر انداز فوجی دستے مامور ومقرر تھے، اس طرح شہر قسطنطنیہ کی حفاظت کا جس قدر سامان اور اہتمام ہوسکتا تھا وہ بدرجۂ اتم پورا کرلیا گیا۔

قلعہ کشائی کی مختلف تدبیریں اور ان میں ناکامی:

سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ کے محاصرے کے دوران انتہائی درجہ مستعدی دکھائی، مسلمانوں نے بار ہا توپوں اور منجنیقوں کے ذریعہ فصیل کے اندر سوراخ کردیے اور پورے جوش وخروش کے ساتھ ان سوراخوں سے شہر کے اندر داخل ہونے کی کوششیں کیں مگر وہ ہر مرتبہ نہایت سختی کے ساتھ واپس لوٹادیے جاتے، قلعہ کے اندر محصور عیسائی نہایت قابلیت اور مستعدی سے ان رخنوں کو بند کرکے پہلے سے زیادہ مضبوط بنالیتے، کئی مرتبہ سلطان کے لشکر کے بہادر نوجوان شہر کے برجوں اور فصیل کے ٹوٹے ہوئے حصوں پر چڑھنے میں کامیاب ہوگئے، مگر اندر سے عیسائی سپاہی اور ان کی عورتیں اور بچے تک پوری پامردی کے ساتھ مدافعت کرنے میں مصروف تھے۔

سلطان نے اپنی فوج کو خندق کے کنارے تک لے جا کر کئی جگہ خندق کو پاٹ کر راستے بنائے اور اس طرح سے مسلمانوں کی فوج فصیل تک پہنچ گئی، لیکن فصیل کے اوپر کوئی بس نہ چل سکا، اوپر سے عیسائیوں نے روغنِ نفت (ایک قسم کا تیل جو بہت جلد آگ پکڑ لیتا ہے) جلا جلا کر مسلمانوں پر پھینکنا شروع کیا، جس کی وجہ سے مجبوراً اسلامی لشکر کو واپس آنا پڑا، اب سلطان نے ایک اور تدبیر سوچی کہ لکڑی کے اونچے اونچے مینار بنوائے جو فصیل شہر کے برابر بلند تھے اور ان کے نیچے پہیے لگے ہوئے تھے تاکہ بہ آسانی ان کو حرکت میں لایا جا سکے، ان میناروں کے ساتھ ایک ایک لمبی سیڑھی اوپر کے حصوں سے بندھی ہوئی تھی، ان میناروں کو خندق کے کنارے لے جا کر اور اس سیڑھی کو اوپر اٹھا کر اس کا دوسرا سرا قلعہ کے اوپر رکھ دیا جاتا، اس طرح خندق کے اوپر ایک پل بندھ جاتا تھا، سلطان کے فوجی اور سپاہی اس مینار پر چڑھ کر سیڑھی کے اوپر سے گزرتے ہوئے فصیل شہر پر پہنچنے کی کوشش میں لگے رہے، مگر قلعہ کے اندر محصور عیسائیوں نے نہایت مستعدی اور چابک دستی کے ساتھ ان میناروں پر رال کے جلتے ہوئے گولے پھینک کر ان کو آگ لگا دی اور ان میناروں اور سیڑھیوں کے جلنے سے قلعہ کشائی کی یہ تدبیر بھی کامیاب نہ ہو سکی۔

سمندری جہاز رومیوں کو امداد پہنچانے میں کامیاب:

دورانِ محاصرہ ایک روز سلطان کو یہ خبر ملی کہ چار جہاز گولہ اور بارود کا سامان لیے ہوئے سلطان کے جہازوں کو چیرتے پھاڑتے ہوئے صاف بچ کر نکل گئے اور گولڈ ہارن یعنی قسطنطنیہ کی بندرگاہ میں داخل ہو کر شہر والوں کو یہ گراں قدر امداد پہنچانے میں کامیاب ہو گئے، سلطان گھوڑے پر سوار ہو کر سمندر کے

کنارے پہنچا اور دیکھا کہ دشمنوں کے پانچ جہاز اور آ رہے ہیں، فوراً سلطان نے اپنے امیر بحر اور بحری فوج کو حکم دیا کہ ان کو روکو اور بندرگاہ میں داخل ہونے نہ دو، سلطان سمندر کے کنارے اس منظر کے دیکھنے میں مصروف تھا، ادھر عیسائی لوگ بھی شہر کی فصیل کے اوپر چڑھ کر اس جنگ کا معائنہ کر رہے تھے۔

سلطان کے جہازوں نے بڑے جوش وخروش کے ساتھ ان جہازوں پر حملہ کر کے ان کی لمبی قطاروں کو توڑ دیا اور وہ ایک جگہ آگے پیچھے اور پہلو بہ پہلو اکھٹے ہو گئے، سلطان کے جہازوں نے چاروں طرف سے ان کو گھیر لیا اور ان کے قریب پہنچ کر بہت کوشش کی کہ ان پر چڑھ کر ان کے ملاحوں کو قتل کریں اور ان جہازوں کو اپنے قبضہ میں کر لیں، مگر وہ جہاز اس قدر بڑے اور بلند تھے کہ سلطان کے سپاہی اپنے چھوٹے اور پشت جہازوں سے کسی طرح نہ چڑھ سکے، شروع میں جب سلطان کے جہازوں نے ان کا محاصرہ کر لیا تھا تو دیکھنے والوں کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ پانچوں جہاز ضرور گرفتار ہو جائیں گے، لیکن تھوڑی ہی دیر میں یہ دیکھا گیا کہ وہ تیزی کے ساتھ سلطان کی کشتیوں کے بیچ سے نکل کر بندرگاہ کی طرف چل پڑے، شہر والوں نے فوراً زنجیر نیچی کر دی اور وہ جہاز صحیح سلامت گولڈن ہارن میں داخل ہو گئے، اس کے بعد زنجیر کو پھر کھینچ لیا گیا اور سلطان کے جہازوں کے حملہ کا کوئی اندیشہ ان کو باقی نہ رہا۔

سلطان نے اپنی فوج کی اس ناکامی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا جس سے اس کو سخت ملال ہوا، اس نے اپنے بحری (سمندری) فوج کے امیر کو بلا کر سخت ڈانٹ ڈپٹ بھی کی، مگر اس بے چارے کی کوئی خطا نہ تھی وہ اپنے چھوٹے چھوٹے جہازوں سے دیو ہیکل جہازوں پر کس طرح قبضہ کر سکتا تھا؟

کن حملہ ہوگا، اس رات تمام لشکر میں چراغاں رہا اور ساری فوج پوری رات دعا وعبادت میں مشغول رہی، صبح ہونے پر سلطان نمازِ فجر سے فارغ ہوکر اور مجمع علماء اور باخدا لوگوں سے دعا کی فرمائش کر کے حملہ آوری کے لیے فصیلِ شہر کی طرف روانہ ہوا، سلطان کے پیر ومرشد (بزرگ) بھی اس کے ساتھ تھے، انہوں نے اپنے لیے ایک الگ خیمہ نصب کرایا اور باہر ایک دربان کو بٹھا دیا تاکہ کوئی شخص اندر نہ آسکے اور خود دعا میں مصروف ہوگئے۔

سمندر اور خشکی ہر طرف سے بڑے جوش وخروش سے حملہ شروع ہوا، رومیوں نے بھی نہایت ہمت اور پامردی کے ساتھ مدافعت کی، کشتوں کے پشتے (لاشوں کے ڈھیر) لگ گئے تھے، مگر دونوں میں سے کوئی بھی ہمت نہ ہارتا تھا، دوپہر کے قریب لڑائی میں سخت شدت پیدا ہوگئی، سلطان نے اپنے وزیر کو اپنے پیر ومرشد کی خدمت میں روانہ کیا کہ یہ وقت خاص طور پر دعا اور روحانی امداد کا ہے، قلعہ میں محصور لوگوں کی ہمت اور سخت مدافعت کو دیکھ کر حملہ آوروں کے دل چھوٹے ہو رہے تھے اور سلطان کو اندیشہ تھا کہ اگر آج یہ شہر فتح نہ ہوا تو پھر اس کا فتح ہونا سخت دشوار ہوگا، کیوں کہ مسلمان اپنی پوری طاقت صرف کر چکے تھے۔

بادشاہ کا قاصد جب اس کے پیر ومرشد کے خیمہ کے پاس پہنچا تو دربان مانع ہوا، لیکن اس نے سختی کے ساتھ دربان کو ڈانٹا اور کہا کہ میں ضرور حاضرِ خدمت ہوکر سلطان کا پیغام پہنچاؤں گا، اس لیے کہ یہ بہت نازک وقت اور خطرے کی گھڑی ہے، یہ کہہ کر وہ قاصد خیمے کے اندر داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ وہ بزرگ سربسجود دعا میں مصروف ہیں، اس کے داخل ہونے پر انہوں نے سجدے سے سر اٹھایا اور کہا: شہر قسطنطنیہ فتح ہو چکا، قاصد کو اس بات کا یقین نہ آیا، مگر جب وہاں سے واپس آیا تو دیکھا تو واقعی شہر کی فصیل پر سلطانی جھنڈا لہرا رہا تھا، در

اصل ہوا یہ کہ جس وقت سلطان نے دعا کی درخواست کے لیے اپنے وزیر کو روانہ کیا وہ نہایت نازک وقت تھا، ٹھیک اسی وقت فصیلِ شہر کا وہ حصہ جو سلطان کے سامنے تھا یکایک خود بخود گر پڑا اور اس کے گرنے سے خندق پر ہوکر شہر میں داخل ہونے کے لیے راستہ صاف ہوگیا۔

سات ہفتے (۶ راپریل سے ۲۹ رمئی تک) تقریباً پونے دو ماہ کے طویل محاصرہ اور ہر طرح کی زبردست قربانیوں کے بعد بالآخر مسلمان فاتحانہ اس شہر میں داخل ہوگئے۔ اس طرح سلطان محمد فاتح کے ہاتھوں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی پوری ہوئی۔ یہ واقعہ ۲۰ رجمادی الاولیٰ ۸۵۷ھ مطابق ۲۹ رمئی ۱۴۵۳ء کا ہے، عام لوگوں کا خیال یہ ہے کہ قسطنطنیہ کی دیوار کا گرنا سلطان کے پیر ومرشد باخدا بزرگ کی دعا کا نتیجہ تھا، اس لیے مشہور ہے کہ شہر قسطنطنیہ دعا سے فتح ہوا ہے۔

قسطنطنیہ کی فتح کی خبر پورے عالم اسلام میں مشہور ہوئی اور ہر جگہ جشن اور خوشیاں منائی گئیں، ہر طرف سے ملوک وسلاطین اور علماء وشعراء نے سلطان کو مبارکباد بھیجے۔

قسطنطنیہ کی فتح کے بعد سلطان محمد فاتح نے اس شہر کا نام اسلام بول رکھا، اور خلافت عثمانیہ ترکی کا اس کو دارالسلطنت (پایۂ تخت) قرار دیا، اس طرح یہ شہر تقریباً ساڑھے گیارہ سو سال تک عیسائی سلطنت کا پایۂ تخت رہنے کے بعد اسلامی حکومت (خلافتِ عثمانیہ) کا دارالسلطنت اور پایۂ تخت بن گیا اور پونے پانچ سو سال سے زیادہ عرصہ تک اسلامی حکومت کا دارالخلافہ (پایۂ تخت) رہے کے بعد ہمارے اس زمانے میں جب کہ خلافت عثمانیہ ختم ہوکر جمہوری حکومت قائم ہوگئی، انگورہ (انقرہ) ترکوں کی اسلامی جمہوری حکومت کا دارالحکومت قرار پایا اور قسطنطنیہ کے دارالحکومت ہونے کی خصوصیت ختم ہوگئی، تاہم دنیا کا وہ ایک

سلطان کا بے مثال عزم واستقلال:

الغرض اس طرح سلطان نے سمندر اور خشکی ہر راہ سے بار بار حملے کیے مگر اس کے تمام حملے ناکام اور بلا نتیجہ ثابت ہوئے اور ہر بار اس کو نقصان اٹھانا پڑا، دشمنوں کی ہمتیں اپنی کامیابیوں اور مسلمانوں کی ناکامیوں کو دیکھ کر اور بھی زیادہ بڑھتی جاتی تھیں، اور سلطان کے لشکر اور حملہ آوروں کے دل چھوٹے ہو رہے تھے، شہر کے اندر سامانِ مدافعت اور کھانے پینے کی چیزوں کی کوئی کمی نہ تھی، وہ برسوں محصور اور قلعہ بند رہ کر ثابت قدم رہنے کا ارادہ کر چکے تھے، اِن حالات کو دیکھتے ہوئے سلطان محمد خاں کی جگہ کوئی اور ہوتا تو ضرور محاصرہ اٹھا کر چل دیتا اور اس کام کو کسی دوسرے وقت پر ٹال دیتا، مگر سلطان محمد فاتح اپنے ارادے کا پکا اور ہمت و حوصلے کا دھنی تھا، اس کے عزم واستقلال میں ذرا بھی کمی نہ آئی، بلکہ وہ ہر ناکامی کے بعد اور بھی زیادہ اپنے ارادے میں مضبوط ہوتا گیا۔

سلطان کا ایک حیرت انگیز کمال:

سلطان جب قسطنطنیہ کی فتح کے ارادے سے فوج لے کر روانہ ہوا تھا تو اس نے علماء اور صالحین کی ایک جماعت کو بھی اپنے ساتھ لے لیا تھا، اس کو نیک و باخدا لوگوں سے بڑی محبت تھی اور ان کی صحبت سے مستفیض ہونے کا شروع ہی سے بہت شوق تھا اور انہیں کے فیضِ صحبت سے اس کے ارادے میں مضبوطی اور حوصلے میں بلندی پیدا ہوئی تھی۔ سلطان دورانِ محاصرہ بھی ان اللہ والوں سے مشورے لیتا اور ان سے دعائیں کرواتا تھا۔ جب محاصرہ طویل ہوا تو آخر میں اس کو ایک ایسی تدبیر سوجھی جو کسی کو نہ سوجھی تھی، شہر کی ایک جانب جدھر بندرگاہ

تھی سمندر سے محفوظ تھی، اسی وجہ سے ادھر کی فصیل کسی قدر نیچی اور کمزور تھی، کیوں کہ اُدھر سے کسی حملے کی توقع نہیں ہو سکتی تھی چناں چہ حملہ آوروں کی تمام کوششیں صرف خشکی کی جانب صرف ہو رہی تھیں، اور شہر والے بھی اُدھر سے بے فکر ہو کر صرف اِسی جانب اپنی پوری قوتِ مدافعت صرف کر رہے تھے، سلطان نے سوچا کہ اگر سمندر کی طرف سے بھی شہر پر حملہ ہو تو اُن لوگوں کی توجہ دو طرف تقسیم ہو جائے گی، پھر شہر کی فصیل کو توڑ کر اندر داخل ہونا آسان ہو جائے گا، مگر سمندر کی جانب سے حملہ اس وقت ہو سکتا تھا جب گولڈن ہارن کے دہانہ پر آہنی (لوہے کی) زنجیر نہ ہوتی اور سلطان کے جہاز کا اس میں داخلہ ممکن ہوتا۔

گولڈن ہارن سے مشرق کی جانب تقریباً پانچ یا دس میل خشکی تھی، سلطان نے چودھویں رات کی چاندنی میں خشکی کے اس پورے حصے پر لکڑی کے تختے بچھوا دیے اور ان تختوں کو چربی سے خوب چکنا کرا دیا اور ایک رات کے اندر صبح ہونے سے پہلے پہلے اسی کشتیاں بیلوں سے کھنچوا کر اور دس میل کی مسافت خشکی میں طے کرا کر ان کشتیوں کو بندرگاہ گولڈن ہارن میں لا کر ڈال دیا، اس چاندنی رات کے اندر ہزاروں آدمیوں کی نقل وحرکت، شور وغل، خوشی کے نعرے شہر والے سنتے تھے، لیکن ان کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ آج سلطان کے لشکر میں کیا ہو رہا ہے، اس طرح شہر کا جو حصہ سمندر سے محفوظ تھا وہ بھی حملے کی زد میں آ گیا، اور عیسائیوں کو اپنی طاقت تقسیم کرنی پڑی۔

آخری حملہ اور قسطنطنیہ کی فتح:

۱۹/ جمادی الاولیٰ ۸۵۷ھ مطابق ۲۸/ مئی ۱۴۵۳ء کو سلطان نے اپنی تمام فوج میں اعلان کرا دیا کہ کل صبح سویرے شہر پر ہر طرف سے آخری اور فیصلہ

نہایت عظیم الشان شہر اور مسلمانوں کا مایۂ ناز مقام ہے۔

سلطان محمد فاتح نے فتح قسطنطنیہ کے بعد حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مزارِ مبارک کے قریب ایک شاندار مسجد بھی بنوادی تھی جو جامع ابی ایوب کے نام سے مشہور ہے، اسی مسجد میں عثمانی سلاطین کی تاج پوشی کی رسم ادا کی جاتی تھی۔

قسطنطنیہ کی فتح دنیا کا عظیم واقعہ:

قسطنطنیہ کی فتح دنیا کا نہایت اہم اور عظیم الشان واقعہ سمجھا جاتا ہے (اسی فتح قسطنطنیہ پر مؤرخین یورپ کی اصطلاح میں زمانۂ وسطیٰ ختم ہوجاتا ہے، اس کے بعد دورِ جدید یعنی نیا زمانہ شروع ہوتا ہے) اور اس اعتبار سے نہایت ولولہ انگیز اور سبق آموز ہے کہ مسلسل ناکامیوں کے بعد بھی سلطان کے پائے استقلال میں ذرا لغزش نہیں آئی، بلکہ اس کا عزم وحوصلہ بلند سے بلند تر ہوگیا، یہاں تک کہ اس نے فتح کرکے ہی دم لیا، جب کہ سلطان کی عمر اس وقت صرف ۲۳ یا ۲۴ سال کی تھی، اسی بنا پر دنیا ان کو سلطان محمد فاتح کے عظیم الشان خطاب اور لقب سے یاد کرتی ہے، اللہ تعالیٰ ان پر اپنی خصوصی رحمت وبرکت نازل فرمائے اور ہمارے نوجوانوں میں بھی وہ حوصلہ اور ہمت عطا فرمائے، آمین

(ماخوذ از: تاریخ اسلام: ۳/۴۹۹تا۵۰۸، تاریخ ملت: ۸/۹۰، تقریر ترمذی: ۲/۲۸۶)

☆☆☆☆☆

نوعمر صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے اسلامی تاریخ میں اسلام کی عظمت وشوکت کے گہرے نقوش قائم کیے ہیں اور جن کی شجاعت وبہادری کے چرچے آج بھی لوگوں کی زبانوں پر ہیں، ابھی وہ نوعمر ہی ہیں کہ عیسائی فوجیں رہا (ایک شہر) پر حملہ کرکے مسلمانوں کے مال واسباب لوٹ لیتی ہیں اور عورتوں کو پکڑ لے جاتی ہیں یہ ظلم دیکھ کر نوعمر صلاح الدین ایک بوڑھے کو ساتھ لے کر سلطان عماد الدین زنگی کے پاس پہنچتے ہیں اور عیسائیوں کے مظالم سے بادشاہ کو آگاہ کرتے ہیں اور اس کی اسلامی حمیت وغیرت کو بیدار کرنے کے لیے رو رو کر فریاد کرتے ہیں۔

نیک دل بادشاہ زنگی کو جب ان حالات کا علم ہوتا ہے تو وہ تمام فوجیوں کو جمع کرکے انہیں رہا کے حالات سناتا اور جہاد پر ابھارتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ کل صبح میری تلوار رہا کے قلعہ پر لہرائے گی، لہٰذا تم میں سے میرا ساتھ کون دے گا؟ یہ اعلان سن کر تمام فوجی سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ یہاں سے رہا ۹۰ میل کی دوری پر ہے راتوں رات وہاں کیسے پہنچا جا سکتا ہے، یہ تو کسی طرح ممکن نہیں معلوم ہوتا، تمام فوجی ابھی غور ہی کر رہے تھے کہ ایک نوعمر لڑکے کی آواز سنائی دیتی ہے کہ ”ہم بادشاہ کا ساتھ دیں گے“

لوگوں نے سر اٹھا کر دیکھا تو ایک نوعمر لڑکا کھڑا تھا، بعضوں نے طنزآمیز

لہجے میں کہا: ''جاؤ میاں کھیلو کودو! یہ جنگ ہے بچوں کا کھیل نہیں ہے، تمہیں ہمارے بیچ بولنے کا کیا حق ہے؟

سلطان زنگی نے یہ جملے سنے تو غصہ سے چہرہ سرخ ہوگیا، اور فرمایا: یہ بچہ سچ کہتا ہے اس کی صورت بتاتی ہے کہ یہ کل میرا ساتھ دے گا، یہی وہ بچہ ہے جو رہا سے میرے پاس فریاد لے کر آیا ہے اس کا نام صلاح الدین ہے۔'' یہ سن کر فوجیوں کو غیرت آتی ہے سب تیار ہوجاتے ہیں اور اگلے روز دوپہر تک رہا پہنچ کر دھاوا بول دیتے ہیں گھمسان کی جنگ ہوتی ہے عیسائی سپہ سالار لوہے میں غرق آن وبان کے ساتھ مقابلہ کے لیے نکلتا ہے سلطان زنگی اس پر کاری ضرب لگاتا ہے، مگر لوہے کی زرہ وار کو بے اثر بنادیتی ہے، عیسائی سپہ سالار پلٹ کر سلطان زنگی پر حملہ کرتا ہے اور نیزہ تان کر سلطان کی طرف پھینکنا چاہتا ہی ہے کہ صلاح الدین کی تلوار فضا میں بجلی کی طرح چمکتی ہے اور زرہ کے کٹے ہوئے حصہ پر گر کر عیسائی سپہ سالار کے دو ٹکڑے کردیتی ہے۔

سپہ سالار کے قتل ہوتے ہی عیسائی فوج بھاگ کھڑی ہوتی ہے اور رہا پر مسلمانوں کا قبضہ ہوجاتا ہے۔ (بانگ درا دسمبر تا فروری ۱۹۹۸ء)

☆☆☆☆☆

جلیل القدر مجاہد انور پاشا رحمۃ اللہ علیہ

غازی انور پاشا ترکی کے ان جلیل القدر مجاہدین میں سے تھے جنہوں نے اپنی ساری عمر اسلام دشمنوں کے ساتھ جہاد میں صرف کی، اور بالآخر روسی بالشویکوں (روسی کمیونسٹوں) سے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا، انہوں نے اپنی شہادت سے صرف ایک دن پہلے ایک خط اپنی بیوی شہزادی بخیہ سلطانہ کے نام روانہ کیا تھا جو انہوں نے ترکی اخبارات میں شائع کرادیا تھا اور وہیں سے ترجمہ ہوکر ۲۲ راپریل ۱۹۲۳ء کے ہندوستانی اخبارات میں بھی شائع ہوا تھا، یہ خط اس قدر ولولہ انگیز اور سبق آموز ہے کہ ہر نوجوان کو پڑھنا چاہئے، ذیل میں اس کا ترجمہ پیش خدمت ہے:

میری رفیقہ حیات اور سرمایہ عیش وسرور پیاری بخیہ!

خدائے بزرگ وبرتر تمہارا نگہبان ہے، تمہارا آخری خط اس وقت میرے سامنے ہے، یقین رکھو تمہارا یہ خط ہمیشہ میرے سینے سے لگا رہے گا، تمہاری صورت تو دیکھ نہیں سکتا، مگر خط کی سطروں اور حرفوں میں تمہاری انگلیاں حرکت کرتی نظر آرہی ہیں جو کبھی میرے بالوں سے کھیلا کرتی تھیں، خیمے کے اس دھندلکے میں کبھی کبھی تمہاری صورت بھی نگاہوں میں پھر جاتی ہے۔

آہ! تم لکھتی ہو کہ میں تمہیں بھول بیٹھا ہوں اور تمہاری محبت کی کچھ پروا نہیں کی، تم کہتی ہو کہ میں تمہارا محبت بھرا دل توڑ کر اس دور افتادہ مقام میں آگ اور خون سے کھیل رہا ہوں اور ذرا پروا نہیں کرتا کہ ایک عورت میرے فراق میں رات بھر تارے گنتی رہتی ہے۔ تم کہتی ہو کہ مجھے جنگ سے محبت ہے اور تلوار

ے عشق، لیکن یہ لکھتے وقت تم نے بالکل نہ سوچا کہ تمہارے یہ الفاظ جو یقیناً سچی محبت نے لکھوائے ہیں، میرے دل کا کس طرح خون کر ڈالیں گے، میں تمہیں کس طرح یقین دلا سکتا ہوں کہ دنیا میں مجھے تم سے زیادہ کوئی محبوب نہیں، تم ہی میری تمام محبتوں کا منتہی ہو، میں نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی، لیکن ایک تم ہی ہو جس نے میرا دل مجھ سے چھین لیا ہے۔

پھر میں تم سے جدا کیوں ہوں؟ راحتِ جان! یہ سوال تم بجا طور پر کر سکتی ہو۔

سنو! میں تم سے اس لئے جدا نہیں ہوں کہ مال و دولت کا طالب ہوں۔

اس لیے بھی جدا نہیں ہوں کہ اپنے لئے ایک تختِ شاہی قائم کر رہا ہوں جیسا کہ میرے دشمنوں نے مشہور کر رکھا ہے، میں تم سے صرف اس لیے جدا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرض مجھے یہاں کھینچ لایا ہے، جہاد فی سبیل اللہ سے بڑھ کر کوئی فریضہ نہیں، یہی وہ فرض ہے جس کی ادائیگی کی نیت ہی انسان کو فردوس بریں (جنت کا سب سے اعلیٰ طبقہ) کا مستحق بنا دیتی ہے۔

الحمدللہ کہ میں اس فرض کی محض نیت ہی نہیں رکھتا؛ بلکہ اسے عملاً انجام دے رہا ہوں۔ تمہاری جدائی ہر وقت میرے دل پر آرے چلایا کرتی ہے، لیکن میں اس جدائی سے بے حد خوش ہوں، کیوں کہ تمہاری محبت ہی ایک ایسی چیز ہے جو میرے عزم و ارادہ کے لیے سب سے بڑی آزمائش ہو سکتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ میں اس آزمائش میں پورا اترا اور اللہ کی محبت اور حکم کو اپنی محبت اور نفس پر مقدم رکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ تمہیں بھی خوش ہونا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ تمہارا شوہر اتنا مضبوط ایمان رکھتا ہے کہ خود تمہاری محبت کو بھی اللہ کی محبت پر قربان کر سکتا ہے۔

تم پر تلوار سے جہاد فرض نہیں، لیکن تم بھی فریضۂ جہاد سے مستثنیٰ نہیں ہو۔ کوئی مسلمان مرد ہو یا عورت، جہاد سے مستثنیٰ نہیں، تمہارا جہاد ہے کہ تم بھی

اپنے نفس اور محبت پر اس کی محبت کو مقدم رکھو اور اپنے شوہر کے ساتھ حقیقی محبت کے رشتے کو اور بھی مضبوط کرو۔

دیکھو! یہ دعا ہرگز نہ مانگنا کہ تمہارا شوہر میدانِ جہاد سے کسی طرح صحیح وسلامت تمہاری آغوشِ محبت میں واپس آ جائے، یہ دعا خود غرضی کی دعا ہوگی اور خدا کو پسند نہ آئے گی، البتہ یہ دعا کرتی رہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے شوہر کا جہاد قبول فرمائے، اسے کامیابی کے ساتھ واپس لائے ورنہ جامِ شہادت اس کے لبوں سے لگائے، وہ لب جو تم جانتی ہو شراب سے کبھی ناپاک نہیں ہوئے، بلکہ ہمیشہ تلاوت و ذکرِ الٰہی سے سرشار رہے ہیں۔

پیاری بخیہ! آہ وہ ساعت کیسی مبارک ہوگی جب اللہ تعالیٰ کی راہ میں یہ سر جسے تم خوبصورت بتایا کرتی تھیں، تن سے جدا ہوگا، وہ تن جو تمہاری محبت کی نگاہوں میں سپاہیوں کا نہیں، نازنینوں (دل لبھانے والوں) کا سا ہے...... انور کی سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ شہید ہو جائے اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس کا حشر ہو، دنیا چند روزہ ہے، موت یقینی ہے، پھر موت سے ڈرنا کیسا؟

جب موت آنے ہی والی ہے تو پھر آدمی بستر پر پڑے پڑے کیوں مرے؟ شہادت کی موت، موت نہیں زندگی ہے، لازوال زندگی!

میری بخیہ! وصیت یہ ہے کہ تمہاری جتنی بھی اولاد ہو سب کو میری زندگی کے حالات سنانا اور سب کو میدانِ جہاد میں اسلام و وطن کی خدمت کے لیے بھیج دینا، اگر تم نے یہ نہ کیا تو یاد رکھو میں جنت میں تم سے روٹھ جاؤں گا۔

اچھا پیاری بخیہ رخصت! نہ معلوم کیوں میرا دل کہتا ہے کہ اس خط کے بعد تمہیں پھر کبھی خط نہ لکھ سکوں گا، کیا عجب ہے کہ کل ہی شہید ہو جاؤں، دیکھو صبر کرنا...... میری شہادت پر غم کھانے کے بجائے خوش ہونا کہ میرا اللہ کی راہ

میں کام آجانا تمہارے لیے باعث فخر ہے۔

بچّہ! اب رخصت ہوتا ہوں اور اپنے عالمِ خیال میں تمہیں گلے لگاتا ہوں، ان شاء اللہ جنت میں ملیں گے اور پھر کبھی جدا نہ ہوں گے۔

(منقول از ترکانِ احرار: ۱۲۷ تا ۱۳۰، بحوالہ تحفہ دلہن، ۶۱۲)

مطلوبہ نتائج

اس طرح کے بے شمار نوجوان ہیں جن کے نام اور کارنامے اسلامی تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں اور امتِ مسلمہ آج بھی ان پر فخر کرتی ہے، اگر ملت کے ان جاں باز اور شیر دل نوجوانوں اور ان کے قابلِ رشک کارناموں کو جمع کیا جائے تو یقیناً سمیٹنا مشکل ہوجائے گا، اس جگہ ہم نے مذکورہ چند نوجوانوں کا ذکرِ خیر اس لیے کیا ہے تاکہ ہمارے نوجوانوں کے لیے وہ باعثِ عبرت ونصیحت ہو، وہ ان کی صلاحیتوں اور طاقتوں کو مہمیز کر سکے اور ان کی رگوں میں خون تازہ کی فراہمی میں مدد دے سکے۔

ان چند نوجوانوں کے تذکرے سے بخوبی اندازہ ہوگیا ہوگا کہ نوجوان نسل قوم کی کتنی بڑی طاقت ہے اور ملک وملت کی تعمیر وترقی میں ان کا کردار کتنا نمایاں رہا ہے!

لیکن یہ سب اسی وقت تک ہوسکا ہے جب تک نوجوانوں کے سامنے زندگی کے بلند مقاصد تھے، ان کے دل دنیا کی محبت اور اس کی فانی لذتوں سے ہٹ کر اپنے پروردگار اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اتباعِ سنت وشریعت کے جذبے سے سرشار تھے اور قوم وملت کی خدمت کا ولولہ اور شوق ان کے اندر موجزن تھا۔ اور اگر یہی نوجوان نفس وشیطان کے فریب میں آکر سیدھے راستے سے بھٹک جاتا ہے اور اس کا رخ رذیل کاموں کی طرف ہوجاتا

ہے تو اس کی تمام فطری صلاحیتیں ضائع ہوجاتی ہیں اور قوم وملت کا یہ طاقت ور ستون کمزور پڑ جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین اور دنیا کے تمام اجتماعی وانفرادی کاموں میں خلل پیدا ہونا شروع ہوجاتا ہے اور قوم ذلت وپستی کی گہرائیوں میں پہنچ جاتی ہے۔

آج کے نوجوان

افسوس! آج ہمارے نوجوانوں کی نگاہوں سے زندگی کے مقاصد اوجھل ہوتے جارہے ہیں، مادیت کی چمک دمک اور زمانے کی رنگینیوں نے ان کی نگاہوں کو اس طرح چکاچوندھ کردیا ہے کہ وہ اپنی پرانی روایات اور اسلامی تعلیمات سے دامن جھاڑ کر غیروں کے پیچھے اندھادھند اس طرح دوڑ رہے ہیں کہ انہیں کچھ خبر نہیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ مغربی تہذیب اور غیر اسلامی طور وطریق کی ہو بہو نقالی کو اپنا شعار بناتے جارہے ہیں اور اس کو اپنا سرمایہ افتخار باور کر بیٹھے ہیں۔

کل جن نوجوانوں کے ہاتھوں میں تیر اور تلوار ہوتی تھی آج ان کے ہاتھوں میں کرکٹ کا بلا اور وی سی آر کی کیسٹ ہوتی ہے، کل کے نوجوان اپنا قیمتی وقت تعلیم وتعلم اور ایسے کاموں میں صرف کرتے تھے جن سے زندگی کی تعمیر ہوتی ہے اور آج کے نوجوان اپنا سارا وقت انٹرنیٹ کے فحش (گندے) ویب سائٹس اور مغربی تہذیب وکلچر سے آراستہ لڑکیوں سے عشق بازی کرنے میں گزارتے ہیں۔

شراب اور دوسری نشہ آور چیزیں (ہیروئن، افیون، گانجہ، مارفیا، کوکین، بھنگ، سگریٹ وغیرہ) جن کو پہلے کے مسلمان ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے تھے، آج کے نوجوان ان کے اتنے عاشق نظر آتے ہیں کہ چند لمحے کے لیے بھی ان سے

جدائی گوارہ نہیں، کل جن زبانوں سے قرآن مجید کی تلاوت اور کلمۂ توحید کے نعروں کی صدائیں بلند ہوتی تھیں، آج ان سے گانوں اور میوزک کی دُھنیں (وجد انگیز آوازیں) نشر ہوتی ہیں۔

آج کے نوجوان کو دینی اعمال بالخصوص نماز وعبادات سے کوئی دلچسپی نہیں، یہاں تک کہ بہت سے فرض نماز ادا کرنے کے لیے بھی تیار نہیں، ان کے برتاؤ سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ اسے فضول اور لغو عمل سمجھتے ہوں۔ اور پہلے کے مسلمان نماز اور دیگر عبادات کے عادی، بلکہ شیدائی ہوتے تھے، یہاں تک کہ فرائض وواجبات کے علاوہ نوافل کا بھی خصوصی اہتمام کرتے تھے۔

خلیفہ ہارون رشید کتنے رعب ودبدبہ والا بادشاہ اور کتنی عظیم سلطنت کا مالک تھا! لیکن اس کے باوجود اس کی عبادت کا یہ حال تھا کہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں ”وہ فرائض وواجبات کے علاوہ روزانہ سو رکعتیں نفل پڑھتا تھا اور مرتے دم تک اس کا یہی معمول رہا (تاریخ ملت: ۲۰۲)

خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانے کی فتوحات کا حال آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ چند جوانوں نے پوری دنیا الٹ پلٹ کر ڈالی، اس کے زمانے کی فتوحات عہدِ فاروقی کی فتوحات کے بعد اپنی نظیر نہیں رکھتیں، باوجود اتنی بڑی سلطنت اور اتنے کثیر مشاغل کے ہر تیسرے دن وہ ایک قرآن پاک ختم کرتا تھا (تاریخ ملت: ۲۰۰)

حجاج بن یوسف کتنا بڑا ظالم حکمراں گزرا ہے، لیکن اس میں اسلامی جوش وحمیت بہت زیادہ تھی، اسلام اور مسلمانوں پر کافروں کے مظالم کو برداشت نہیں کرسکتا تھا، عبادت اور نماز سے اس کے شغف کا یہ حال تھا کہ رات میں تین سو رکعتیں نفل پڑھتا تھا اور یہ معمول روزانہ کا تھا۔ (الافاضات: ۱۸۶/۵)

سلطان شمس الدین التمش جو ہندوستان میں خاندانِ غلامان کا مشہور بادشاہ گزرا ہے، اس کی دینداری اور پرہیزگاری کا ذرا اندازہ کیجیے کہ بلوغ کے

بعد سے کبھی اس کی نمازِ تہجد اور عصر کی سنت فوت نہیں ہوئی!

اس سلسلے کا ان کا یہ حیرت ناک واقعہ منقول ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا جب انتقال ہوگیا اور نمازِ جنازہ ادا کرنے کے لیے ان کا جنازہ ایک بڑے میدان میں لایا گیا تو لوگ اتنی کثیر تعداد میں جمع تھے کہ تاحدِ نگاہ انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آتا تھا، اتنے بڑے مجمع میں حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم نے یہ اعلان کیا کہ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت ہے کہ میری نمازِ جنازہ وہ پڑھائے جس میں چار شرطیں پائی جاتی ہوں:

ایک یہ کہ زندگی میں (بالغ ہونے کے بعد سے) کبھی اس کی تکبیرِ اولیٰ فوت نہ ہوئی ہو۔

دوسری شرط یہ کہ اس کی تہجد کی نماز کبھی قضا نہ ہوئی ہو۔

تیسری یہ کہ اس نے کبھی کسی غیر محرم پر بری نگاہ نہ ڈالی ہو۔

چوتھی یہ کہ اس کی عصر کی سنت کبھی فوت نہ ہوئی ہو۔

لہذا جس آدمی میں یہ چاروں شرطیں پائی جاتی ہوں وہ آگے آئے اور نمازِ جنازہ پڑھائے، خادم کی اس بات کو سن کر پورے مجمع کو سانپ سونگھ گیا، سب پر سناٹا طاری ہوگیا، لوگوں کے سر جھک گئے اور کوئی آگے بڑھنے کی ہمت نہ کرسکا، جبکہ اس مجمع میں ہزاروں علماء اور مشائخ بھی تھے، جب کافی دیر ہوگئی تو ایک شخص روتا ہوا آگے بڑھا، جنازے کے قریب جاکر حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اوپر سے چادر ہٹائی اور کہا: حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ کو رسوا کیا (میرا راز فاش کردیا)، لیکن چوں کہ آپ کی یہ وصیت ہے اس لیے اس کو پورا کرنا بھی ضروری ہے، میں بہ قسم کہتا ہوں کہ الحمدللہ! میرے اندر یہ چاروں باتیں موجود ہیں، لوگوں نے دیکھا تو وہ شخص بادشاہِ وقت سلطان شمس

الدین التمش تھے، رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ ، بادشاہ کی یہ نیکی حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبتِ بابرکت کا فیض تھا (اسلام میں عفت وعصمت:۳۹)

سلف کے زمانے میں نوجوانوں اور عام مسلمانوں کا خاص وصف یہ تھا کہ وہ ''رُهْبَانٌ فِي اللَّيْلِ وَفُرْسَانٌ فِي النَّهَار'' ہوتے تھے یعنی رات وہ شب بیداری (عبادت ودعا) میں گزارتے تھے اور دن میں دشمنوں کے مقابلے پر ڈٹے رہتے، رات میں مصلیٰ کے اوپر کھڑے رہتے اور دن میں (میدانِ جہاد کے اندر) گھوڑے کی پشت پر سوار رہتے تھے۔

اجنادین کا عجیب واقعہ:

اجنادین ملکِ شام میں بہت بڑا شہر ہے، اس جگہ مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان بہت بڑا معرکہ ہوا تھا، ہرقل (شاہِ روم) کا حقیقی بھائی جو رومی لشکر کا سپہ سالار تھا، جب مسلمانوں کا لشکر اس مقام پر پہنچا تو اس نے ایک عربی شخص کو اس غرض سے بھیجا کہ مسلمانوں کے لشکر میں رہ کر ان کی اصلی حالت کی خبر لائے، یہ شخص چوں کہ خود عربی تھا، مسلمانوں میں آملا اور ایک رات دن رہ کر شب وروز کے حالات دیکھے، مسلمانوں کو رات میں تہجد گذاری اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے پایا، نیز دیکھا کہ آپس کے معاملات میں نہایت صفائی کا برتاؤ ہے، ہر شخص امیر کے حکم کا دل وجان سے فرماں بردار ہے، جب وہ یہ حالات دیکھ کر واپس ہوا تو رومی سپہ سالار نے اس سے پوچھا، بتاؤ کیا دیکھا؟

اس نے جواب دیا: بِاللَّيْلِ رُهْبَانٌ وَبِالنَّهَارِ فُرْسَانٌ وَلَوْ سَرَقَ ابْنُ مَلِكِهِمْ قَطَعُوْهُ وَلَوْ زَنٰى رُجِمَ لِإِقَامَةِ الْحَقِّ فِيْهِمْ یعنی یہ لوگ رات کو شب بیدار اور تہجد گزار ہیں اور دن کو شہ سوار ہیں۔ اگر ان کے بادشاہ کا بیٹا

(شہزادہ) بھی چوری کرلے تو وہ لوگ ہاتھ کاٹ ڈالیں گے اور زنا کرے تو وہ رجم کردیں گے، حق کے جاری کرنے میں کسی کی رعایت نہیں کی جاتی۔

رومی سپہ سالار نے یہ سن کر کہا: إِنْ كُنْتَ صَدَقْتَنِي لَبَطْنُ الْأَرْضِ خَيْرٌ مِنْ لِقَاءِ هٰؤُلَاءِ یعنی اگر تیری بات صحیح ہے تو زیرِ زمین ہوجانا (مرجانا) بہتر ہے ان لوگوں کا مقابلہ کرنے سے۔ (اشاعتِ اسلام:۱۶۸)

الغرض آج کے نوجوانوں میں اور پہلے کے مسلمانوں میں کوئی نسبت نہیں معلوم ہوتی، دونوں میں آسمان زمین کا فرق دکھائی دیتا ہے ایسی صورت میں کیا ذلت وادبار اور زوال وپستی مسلمانوں کے گلوگیر نہ ہوگی؟

اقبال مرحوم نے موجودہ زمانے کے نوجوانوں اور مسلمانوں کی حالتِ زار پر اپنے قلبی تأثرات کا اظہار جوابِ شکوہ میں ان الفاظ میں کیا ہے:

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے
ہم سے کب پیار ہے؟ ہاں نیند تمہیں پیاری ہے
طبعِ آزاد پہ قیدِ رمضان بھاری ہے
تمہیں کہہ دو کہ یہ آئینِ وفاداری ہے؟
قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں، محفلِ انجم بھی نہیں
جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن تم ہو
نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن تم ہو
صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا کس نے؟
نوعِ انسان کو غلامی سے چھڑایا کس نے؟
میرے کعبہ کو جبینوں میں بسایا کس نے؟
میرے قرآن کو سینوں سے لگایا کس نے؟

تھے تو آباء وہ تمہارے ہی، مگر تم کیا ہو؟
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو؟
قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمد کا تمہیں پاس نہیں
جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا تو غریب
زحمتِ روزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب
نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب
پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمہارا تو غریب
اُمرا (مالدار) نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملتِ بیضا غربا کے دم سے
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کر شرمائیں یہود
یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغاں بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟
ہر مسلمان رگِ باطل کے لئے نشتر تھا
اس کے آئینۂ ہستی میں عمل جوہر تھا
جو بھروسہ تھا اُسے قوتِ بازو پر تھا
ہے تمہیں موت کا ڈر، اُس کو خدا کا ڈر تھا
وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار (ذلیل) ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوجِ ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم
تم ہو آپس میں غضب ناک، وہ آپس میں رحیم
تم خطا کار و خطا بیں، وہ خطا پوش و کریم
خودکشی شیوہ تمہارا، وہ غیور و خود دار
تم اخوت سے گریزاں وہ اخوت پہ نثار
تم ہو گفتار سراپا، وہ سراپا کردار
تم ترستے ہو کلی کو، وہ گلستاں بہ کنار

یعنی تم دنیا کی معمولی دولت کو ترستے ہو، حالاں کہ تمہارے اسلاف کے قدموں میں ساری دنیا کی دولت وحکومت جمع تھی۔

نوجوانوں کی سوچ نہایت محدود

اسی طرح آج کے نوجوانوں کی سوچ اتنی محدود ہوگئی ہے کہ اگر وہ کوئی جاہ ومنصب یا تعلیمی ڈگریاں حاصل کرتے ہیں تو وہ صرف ذاتی نفع شخصی مفاد اور اپنی زندگی کا معیار اونچا کرنے کے لیے، ان کی تمام جدوجہد اور دوڑ دھوپ کا مقصد صرف دنیا طلبی اور عیش پرستانہ زندگی کا حصول ہوتا ہے، آخرت کی صلاح وفلاح یا قوم وملت کی تعمیر وترقی کا خیال برائے نام ہوتا ہے، حالاں کہ ایک مسلمان کے لیے بہ حیثیت مسلمان ضروری ہے کہ اس کی چھوٹی بڑی تمام کوششوں کا اصل محرک وباعث دنیا کے بجائے آخرت ہو اور ذاتی وشخصی منفعت سے زیادہ قومی وملی مفاد اس کے پیش نظر ہو، اسی سے ارادے میں پختگی، عمل میں جان اور اللہ کی مدد شاملِ حال ہوتی ہے، اس کے بغیر آدمی میں نہ قائدانہ

صلاحیت پیدا ہوسکتی ہے اور نہ ہی وہ قائد بنائے جانے کے لائق ہے

کالج ویونیورسٹی کے طلبہ وطالبات

حضرت مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی ممبر پارلیمنٹ تحریر فرماتے ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ موجودہ تعلیم کے ذریعہ مادیت کے میدان میں کچھ کرگزرنے کا جذبہ تو نئی نسل میں پروان چڑھ رہا ہے، لیکن انسانی واخلاقی اقدار اور پاکیزہ روایات کا تصوران کی زندگیوں سے نکلتا چلا جارہا ہے۔افسوس کی بات ہے کہ آج کے نوجوان تعلیم یافتہ تو ہیں لیکن سماج کے اعلیٰ افراد نہیں اور نہ ہی ان کے اندر ایسے اوصاف نظر آتے ہیں جن کی بدولت وہ بے پڑھے لکھے افراد کے لئے قابلِ تقلید ہوسکیں، تعلیم یافتہ لوگ چاہے وہ معیاری یونیورسٹیوں کے ہوں یا سستے اور غیر معیاری کالجوں اور اسکولوں سے وابستہ ہوں، ان میں بڑی حدتک ایسی خوبیوں کا فقدان ہے جو تعلیم یافتہ یا کسی بھی اچھے انسان کے اندر ہونی چاہئیں، حدتو یہ ہے کہ بہت سوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ لوگوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہیے، بڑوں کا ادب ملحوظ رکھنا چاہیے، چھوٹوں پر شفقت کا معاملہ کرنا چاہیے، کمزور لوگوں کی مدد کرنی چاہیے، ہمیشہ سچ بولنا چاہیے، غلط کاموں سے بچنا چاہیے وغیرہ، بلکہ اس کے برعکس آج کے پڑھے لکھوں کی بڑی تعداد غیرانسانی حرکتوں میں ملوث پائی جاتی ہے، جرائم، کرپشن (رشوت خوری)، اور بدعنوانی میں ملوث جس قدر پڑھے لکھے لوگ ہیں، شاید اتنے بے پڑھے افراد بھی نہیں، زناکاری، فحاشی جو کسی بھی مہذب سماج کے لیے زہر قاتل ہے، آج کے تعلیم یافتہ افراد کے اندر تشویش ناک حدتک پائی جاتی ہے، بلکہ مخلوط تعلیم سے متاثر ہوکر طلبہ وطالبات (لڑکے اور لڑکیاں) بڑی تعداد میں بارہویں اور گریجویشن تک پہنچتے پہنچتے زناکاری وبدفعلی جیسی انسانیت سوز حرکتوں میں ملوث

ہوجاتے ہیں اور پھر آہستہ آہستہ ان کے اندر سے احساسِ ندامت بھی ختم ہوجاتا ہے، اور یہ بات ان کے لیے عام سی ہوجاتی ہے۔ (دعوت الصدق: جلد:۳، شمارہ:۳۳)

ذرا غور فرمائیں! مسلمانوں کا نوجوان طبقہ کہاں جارہا ہے؟ اس کی منزلِ مقصود کیا ہے اور اس کا مستقبل کیا ہوگا؟؟؟

یہود ونصاریٰ کی سازشیں

یہ دراصل یہود ونصاریٰ کی زبردست سازش ہے، وہ لوگ مسلم معاشرے کی اصل طاقت نوجوانِ اسلام کو اسلامی تعلیمات سے دور رکھنے، ان کے اندر سے ایمانی روح کو ختم کرنے، ان کی دینی غیرت وحمیت کو تباہ کرنے اور بدعملی وبے راہ روی کے سمندر میں غرق کردینے کے لیے اپنے تمام وسائل کے ساتھ ایک عرصہ سے مسلسل کوشاں ہیں، اس لیے کہ انہیں صدیوں کے تجربے سے بہ خوبی اندازہ ہوچکا ہے کہ ہر میدان میں قوم کی قیادت کرنے والے اور دشمنوں کے مقابلے پر پہاڑ بن کر کھڑے ہونے والے یہی شیر دل نوجوان ہیں، اگر انہیں دنیا کی لذتوں اور شہوتوں میں پھنسا کر اندر سے کھوکھلا کردیا جائے تو اسلام اور مسلمانوں کی طاقت خود بخود کمزور پڑ جائے گی، لہذا مسلمانوں کے نوجوانوں اور نئی نسل کو لہوولعب، طاؤس ورباب (گانے بجانے کے آلات) نغمہ وسرود اور شراب وکباب میں الجھا کر اتنا نکما اور ناکارہ بنادیا جائے کہ وہ قوم وملت کی قیادت کرنے اور اس کے مسائل کو سوچنے اور سمجھنے کے قابل ہی نہ رہیں، تاکہ جب اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کوئی محاذ (مقابلہ اور جنگ کا میدان) قائم کیا جائے تو یہ نوجوان میدان میں اتر کر مقابلہ کرنے کے بجائے اپنا عشرت خانہ آباد کیے ہوئے رہیں۔

بلاشبہ دشمنانِ اسلام کو اس سازش کو عملی جامہ پہنانے میں ایک حدتک

کامیابی بھی مل رہی ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ اسلامی سلطنتیں سمٹتی جارہی ہیں، مسلمانوں کی جانیں اور املاک تباہ ہورہی ہیں، اور مسلمانوں کی شمشیر بے نیام جو کبھی غیروں پر چلا کرتی تھی، اب آپس میں ایک دوسرے کے اوپر استعمال ہورہی ہے، جو قوم کبھی عزت وعظمت شان وشوکت، دولت وحکومت کی تنہا مالک اور اجارہ دار تھی وہ آج انتہائی ذلت وخواری اور افلاس وناداری میں مبتلا نظر آتی ہے۔ نہ زور وقوت ہے نہ زر ودولت، نہ شان وشوکت ہے نہ باہمی اخوت ومحبت، نہ عادات اچھی نہ اخلاق اچھے، ہر برائی اس میں موجود اور ہر بھلائی سے کوسوں دور نظر آتی ہے، دشمنانِ اسلام اپنی کامیابی اور مسلمانوں کی اس زبوں حالی پر خوش ہیں، برملا ان کی کمزوری کو اچھالا جاتا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ جس قوم نے ساری دنیا کو سیراب کیا اور تہذیب وتمدن کا سبق سکھایا آج وہ خود تشنہ لب ہے اور غیروں کی اندھی تقلید کو مایۂ فخر سمجھ بیٹھی ہے۔

خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم نے اپنے الفاظ میں موجودہ حالات کا اس طرح نقشہ کھینچا ہے:

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دعا ہے
امت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں آج وہ غریب الغربا ہے
جس دین کے مدعو تھے کبھی قیصر وکسریٰ
خود آج وہ مہمان سرائے فقرا ہے
وہ دین ہوئی بزم جہاں جس سے چراغاں
اب اس کی مجالس میں بتی ہے نہ دیا ہے

جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے
اس دین میں خود بھائی اب بھائی سے جدا ہے

استعماری منصوبے اور سازشیں

استعماری سازشوں سے میری مراد وہ منصوبے ہیں جن کا اسلام سے برسرِ پیکار رہنے اور مسلمانوں کو جہاد سے باز رکھنے اور اسلامی معاشرے کو آزادی اور شہوت پرستی میں ڈبو دینے میں عیسائیت اور استشراق سے بہت گہرا تعلق ہے۔

ان کا مقصدِ اصلی یہ ہے کہ مسلمانوں کو اسلامی عقیدے سے عاری وتہی دست کر کے انہیں ایک ایسا حیوان بنادیا جائے جس کا دنیاوی زندگی میں سوائے خواہشاتِ نفس کی تکمیل اور رذالت (کمینہ پن) کے کیچڑ میں دھنسنے کے اور کوئی کام نہ ہو، نہ اسے عظمت وعزت تک پہنچنے کی خواہش ہو اور نہ کوئی عظیم کام انجام دینے کی تمنا ہو (نوجوان تباہی کے دہانے پر: ۴۶۸)

استعماری طاقتوں کا ایک ترجمان لکھتا ہے: شراب کا ایک جام اور مغنیہ (گانے والی حسین لڑکی) اور فاحشہ عورت امت محمدیہ کو تہہ وبالا کرنے میں ہزار توپوں سے بڑھ کر ہے، یہ دونوں اتنا بڑا کام کرسکتے ہیں جو ایک ہزار توپیں نہیں کرسکتیں، اس لیے اس قوم کو مادیت اور شہوات کی دنیا میں غرق کردو۔ (نوجوان تباہی کے دہانے پر: ۴۵۹، اسلام میں عفت وعصمت: ۸۰)

عیسائی مبلغین کی جماعت کے مشہور سربراہ پادری "زُوَیمر" نے عیسائیت کی تبلیغ سے متعلق عیسائی مبلغین کی ایک کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے یہ بات کہی تھی:

اے بہادر بھائیو! جن کی قسمت میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیت کی تبلیغ اور مسلم ممالک میں اسے غالب کرنے کا فریضہ لکھ دیا ہے اور پروردگار عالم نے انہیں اپنی خصوصی توجہ اور عظیم توفیق سے سرفراز فرمایا ہے، آپ لوگوں نے اس فریضہ کو نہایت عمدگی سے ادا کیا ہے اور اس سلسلے میں توفیقِ الٰہی پورے طور پر آپ لوگوں کے ساتھ شامل رہی ہے، لیکن اس عمدگی سے اپنا فریضہ ادا کرنے کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ شاید آپ حضرات میں سے بعض لوگ ہمارے بنیادی مقصد کو نہیں سمجھے ہیں۔

آپ لوگوں کو جن عیسائی ممالک نے مسلم ممالک میں تبلیغ کے لیے بھیجا ہے ان کا مقصد یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کو عیسائی بنایا جائے، اس لیے کہ یہ تو اُن کے لیے سببِ ہدایت اور باعثِ عزت وافتخار ہے، بلکہ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمان اسلام سے خارج ہو جائیں، تاکہ وہ ایک ایسی مخلوق بن جائیں جس کا اللہ رب العزت سے کوئی تعلق نہ ہو اور اُن اخلاقِ حسنہ سے ان کا رابطہ ختم ہو جائے جن پر قومیں اپنی زندگی میں اعتماد کرتی ہیں، اس طریقے سے آپ لوگ مسلمان ملکوں میں استعماری فتح کے ہراول دستے بنیں گے اور یہ کام آپ لوگ گذشتہ سالوں میں نہایت عمدگی سے انجام دے چکے ہیں۔

یہ ایک ایسی چیز ہے جس پر میں بھی آپ لوگوں کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور تمام عیسائی ممالک اور ان کے عیسائی باشندے بھی آپ لوگوں کو دلی مبارک باد پیش کریں گے۔

آپ لوگوں نے اپنے وسائل سے تمام عقول اور مسلم ممالک کو اس غرض کے لیے آمادہ کرلیا ہے کہ وہ اُس راستے پر چل پڑیں گے جسے آپ لوگوں نے نہایت عمدگی سے تعمیر کیا ہے اور آپ لوگوں نے مسلمانوں کے ملکوں اور گھروں میں ایسی پود تیار کرلی ہے جو نہ خدا کو جانتی ہے نہ جاننا چاہتی ہے اور آپ لوگوں

نے مسلمانوں کو اسلام سے خارج کردیا ہے، جس کی وجہ سے مسلمانوں کی نئی نسل بالکل ویسی ہی تیار ہوئی ہے جیسی مسیحی استعمار کی تمنا تھی کہ اسے نہ عظیم کاموں سے دلچسپی ہے نہ ان کا اہتمام، وہ راحت پسند، کاہل وسست ہیں، دنیا میں ان کا مقصدِ حیات صرف خواہشات کا اتباع اور شہوت رانی ہے، وہ اگر پڑھتے ہیں تو خواہشاتِ نفس کی تکمیل کے لیے، اگر مال ودولت جمع کرتے ہیں تو عیاشی اور خواہشات کی آبیاری (سینچائی) کے لیے، اور اگر وہ کسی اعلیٰ منصب ومرتبہ پر پہنچ جائیں تو وہ شہوت ولذت کے راستے میں ہر چیز کو قربان کردیتے ہیں۔

آپ لوگوں کا فریضہ نہایت عمدگی سے پورا ہوگیا ہے اور بہت عمدہ نتائج آپ لوگوں نے حاصل کیے ہیں، مسیحیت آپ لوگوں کے لیے دعاگو ہے اور استعمار آپ سے راضی وخوش ہے، لہٰذا آپ لوگ اپنے فریضے کی ادائیگی میں ہمہ تن لگے رہیں، آپ اپنے مبارک جہاد کی وجہ سے پروردگار عالم کی برکات کا مرکز بن گئے ہیں۔ (نوجوان تباہی کے دہانے پر: ۶۲،۶۳)

یہ کتنا صاف اور واضح بیان ہے، اور ایسی تحریر ہے جس کی وضاحت کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔

نصاریٰ کا خصوصی اجلاس:

۱۹۰۶ء میں عیسائیوں کے مبشرین ومبلغین کا ایک اہم اجلاس قاہرہ میں منعقد ہوا جس میں زیرِ بحث مسئلہ یہ تھا کہ اسلامی ممالک میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے کیا کیا مشکلات ہیں، بحث وتمحیص کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ عالمِ اسلام کو بے غیرت بنائے بغیر عیسائیت کی تبلیغ بہت مشکل ہے، کیوں کہ مسلمانوں میں شرم وحیا اور خوفِ خدا والی صفات پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے وہ بے دینی وغیرہ سے محفوظ رہتے ہیں، لہٰذا موسیقی اور گانے والی لڑکیوں کے ذریعے پہلے ان کے

اندر سے اسلامی غیرت وحیا کو ختم کیا جائے، اس کے بعد ہی عیسائی افکار ونظریات مسلمانوں میں رائج ہو سکیں گے، اسلامی دنیا کو عیسائیت کی طرف راغب کرنے کا یہی سب سے بڑا ہتھیار اور سب سے زیادہ آسان طریقہ ہے
(حوالا بالا)

صلیبی سازشیں:

پہلی صلیبی جنگیں جو دو صدیوں تک جاری رہیں، ان میں ناکامی کے بعد عیسائیوں نے بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھایا اور نہایت عیاری اور چالاکی سے یہ منصوبہ تیار کیا کہ:

(۱) سب سے پہلے خلافتِ اسلامیہ جو دولتِ عثمانیہ ترکی کی شکل میں موجود تھی اس کو ختم کرنا۔

(۲) مسلمانوں سے اسلامی فکر کا خاتمہ کرنا اور خدا سے ان کے تعلق کو منقطع کردینا۔

(۳) مسلمانوں کی وحدت کو ختم کرنا، تاکہ مسلمان کمزور ہو جائیں۔

(۴) مسلمان عورتوں کو بگاڑنا، جس کا طریقہ یہ ہو کہ عورتوں کی آزادی کے نام پر جو جماعتیں کام کریں ان کی خوب تائید کی جائے اور عورت کو مرد کے برابر قرار دیا جائے، اسلام نے جو کئی بیویوں کے رکھنے اور طلاق دینے کی اجازت دی ہے اس کی مخالفت کی جائے اور ان سب کا مقصد شبہات کا پیدا کرنا اور یہ بتلانا ہو کہ اسلامی شریعت اس دور کے لیے لائق عمل نہیں اور زندگی کے ساتھ چلنے کی صلاحیت نہیں رکھتی اس میں مختلف طرح سے شکوک وشبہات پیدا کیے جائیں۔

عیسائیوں نے سب سے بڑے خائن ”کمال اتاترک (مصطفیٰ کمال پاشا)“ سے یہ شرط لگائی کہ ترک کی سرزمین سے اس وقت نہیں جائیں گے جب

تک کہ مندرجہ ذیل شرطیں نافذ نہ ہو جائیں۔

(۱) خلافت اسلامیہ کا خاتمہ اور خلیفہ کو ترکی سے ملک بدر کرنا۔

(۲) ترکی اپنا تعلق اسلام سے ختم کرے۔

(۳) ترکی اپنے لیے اسلامی دستور کی جگہ ایک دوسرا سبق تیار کرے، جمعہ کے بجائے اتوار کی چھٹی کرنا بھی ان شرطوں میں داخل تھا اور یہ سب ۱۹۲۸ء میں مکمل ہو گیا۔

خائن اتاترک نے ان سب شرطوں کو نافذ کیا اور انگریز اور اس کے حلیفوں نے ترکی کی آزادی کو قبول کر لیا اور خلافتِ اسلامیہ کے خاتمے اور اس کی جگہ لادینی حکومت بنانے کی کوششوں کو سراہا۔ (نوجوان تباہی کے دہانے پر: ۴۶۶)

آخری گزارش

نوجوانانِ اسلام! جب آپ نے دشمنانِ اسلام کے یہ منصوبے اور سازشیں سن لیں تو اب اپنی اور اپنے بچوں کے ایمان واخلاق کی حفاظت کے لیے پختہ عزم وارادے کے ساتھ کھڑے ہوئے اور ان کی ایمانی واخلاقی تربیت اور تعمیر کے لیے اپنی کوشش اور جدوجہد کو دوگنا کر دیجئے تاکہ غیروں کی سازشیں ان کے عقائد واخلاق کو خراب نہ کر سکیں۔

انسان کی ایک بہت بڑی طاقت:

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو ایک بڑی چیز سے نوازا ہے وہ ہے ”قوت ارادی“ جس کے سامنے سمندر، پہاڑ، پانی، ہوا اور آگ تمام طاقتیں ہیچ معلوم ہونے لگتی ہیں، پہاڑ اس کی ہیبت سے ریت کا ڈھیر بن جاتا ہے اور اس کی ایک ٹھوکر دریا میں راستہ پیدا کر دیتی ہے، کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

چٹانیں چور ہو جائیں، جو ہو عزمِ سفر پیدا

قوت ارادی کا حیرت انگیز نمونہ

آپ کو معلوم ہوگا کہ آں حضورﷺ کی وفات کی خبر سن کر عرب کے بعض قبائل جو ابھی ابھی مسلمان ہوئے تھے، مرتد ہوگئے اور طرح طرح کی بغاوتیں ظاہر ہونی شروع ہوئیں، کچھ جھوٹی نبوت کے دعوے دار کھڑے ہوگئے جن میں ایک مسیلمہ کذاب، دوسرا اسود عنسی تھا، اور سجاح نامی ایک عورت بھی تھی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بننے کے بعد تمام مرتدین اور جھوٹے مدعیانِ نبوت سے جہاد وقتال کرنے اور بزورِ شمشیر نمٹنے کا عزم فرمایا۔

ان کے علاوہ ایک اہم مسئلہ لشکر اسامہ کی روانگی کا بھی تھا جس کا آں حضورﷺ نے اپنی آخری وصیت میں حکم فرمایا تھا، حضرت ابوبکر کی رائے اس لشکر کو روانہ کرنے کی تھی، اور دیگر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے، اُن حضرات کی رائے یہ تھی کہ ایسے پُر آشوب وقت میں جب کہ ملک کے اندر ارتداد اور بغاوت کی وبا پھوٹ پڑی ہے، لڑائی میں پیش قدمی کرنا مناسب نہیں ہے، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما جو ہمیشہ لڑائی میں پیش پیش رہتے تھے، اس موقعہ پر یہ دونوں حضرات بھی حالات کی نزاکت سے متاثر تھے اور لڑائی کو مصلحت کے خلاف سمجھتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے خلیفۂ رسول! یہ سختی کا وقت نہیں ہے، اس وقت تالیفِ قلب کی ضرورت ہے، یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غصہ آگیا، اور فرمایا: أَجَبَّارٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَخَوَّارٌ فِي الْإِسْلَامِ اے عمر! زمانہ جاہلیت میں تو بڑے سخت تھے اور اسلام میں اتنے نرم ہوگئے! سنو! تَمَّ الدِّيْنُ وَانْقَطَعَ الْوَحْيُ أَيُنْقَصُ الدِّيْنُ وَأَنَا حَيٌّ یعنی دین مکمل ہو چکا، اور وحی بند ہو چکی، کیا یہ ممکن ہے کہ میرے ہوتے ہوئے دین میں نقص پیدا ہو جائے؟ (اور میں خاموش تماشائی بنا رہوں؟)

اور فرمایا کہ میری اونٹنی لاؤ! اگر تم لوگ میرا ساتھ نہیں دوگے تو میں تنہا قتال کروں گا، یہ کہہ کر آپ اپنی اونٹنی پر بیٹھ گئے۔ اور لشکر اسامہ کی روانگی کے بارے میں فرمایا: خدا کی قسم! اگر مجھے اس کا بھی یقین دلایا جائے کہ اس لشکر کے جانے کے بعد مجھ کو مدینہ میں کوئی درندہ پھاڑ ڈالے گا، اور چیل کوے میرا گوشت نوچ ڈالیں گے تب بھی میں اس لشکر کی روانگی کو ملتوی نہیں کر سکتا۔

ذرا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قوتِ ارادی اور عزم واستقلال کا اندازہ کریں کہ جس فتنے کی سنگینی نے بڑے بڑے صحابہ کے حوصلے پست کر دیے، اتنے بڑے طوفان سے ٹکرانے کا جب آپ رضی اللہ عنہ ایک بار عزم کر چکے تو ہر حال میں اس کو پورا کر کے دکھایا، اور انتہائی نازک حالات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ناموافقت کے باوجود ان کے عزم واستقلال میں ذرا بھی اضمحلال (ضعف) نہ آیا، نہ انہوں نے لشکر اسامہ کی روانگی کو ملتوی کرنا مناسب سمجھا، نہ فاروق اعظم اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی مرعوبانہ باتوں سے مرعوب ومتاثر ہوئے اور نہ ہی فتنوں کی کثرت اور حالات کی نزاکت کو انہوں نے پرکاہ (تنکے) کے برابر کوئی وقعت دی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس سرعت وتیزی کے ساتھ فتنہ پھیلا تھا اسی سرعت سے وہ فرو (ختم) بھی ہوگیا اور چند مہینوں کے اندر شام ونجد سے مسقط وحضر موت تک اور خلیج فارس سے یمن وعدن تک پورا براعظم ہر خس وخاشاک سے بالکل پاک وصاف ہوگیا، جس کو دیکھ کر ہر شخص حیران اور ان کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان ہوگیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: آں حضورﷺ کی وفات کے بعد ہم لوگوں پر ایسا وقت آگیا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ ہماری مدد نہ فرماتا تو ہم لوگ ہلاک ہو جاتے (اشاعت اسلام: ۱۴۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس موقعہ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عزم واستقلال کے اندر انبیاء کرام علیہم

السلام کی قائم مقامی کی کہ جس طرح انبیاء علیہم السلام اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں نہایت پختہ اور مضبوط ہوتے ہیں کہ پہاڑ کا اپنی جگہ سے ہلنا ممکن ہے، مگر انبیاء علیہم السلام اپنے کام سے ذرا بھی ہٹ نہیں سکتے، وہ تنِ تنہا بھی تمام دنیا کا مقابلہ کرنے کو تیار ہوتے ہیں، اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کسی کی پروا نہیں کی اور تنِ تنہا سب سے نمٹنے کے لیے تیار ہوگئے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہی دین کے تنہا وارث اور اکلوتے فرزند ہوں! کیا شیر ونہنگ یا دریا اور پہاڑ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قوت ارادی سے کوئی نسبت ہے؟

لہٰذا اگر آپ صرف ارادہ کرلیں کہ ہم دشمنوں کی سازش کے کبھی شکار نہیں ہوں گے اور یہ تہیہ کریں کہ اپنے آپ کو تمام گندے کاموں، لایعنی اور فضول باتوں اور دین ودنیا کو نقصان پہنچانے والی تمام چیزوں سے دور رکھیں گے اور کبھی کسی کے بہکاوے میں آکر یا نفس وشیطان کے جال میں پھنس کر ان کے قریب نہیں جائیں گے، پھر اس پر جم جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ قائدانہ صلاحیتوں کے حامل اور اپنے اسلاف کے سچے جانشین نہ بن سکیں۔

تو شاہین ہے، پرواز ہے کام تیرا ☆ اسی شب وروز میں الجھ کر نہ رہ جا

آپ یقین رکھیں کہ آپ کی یہ قوتِ ارادی اور اس کے ساتھ اپنے رب سے گہرا تعلق اور اس کی ذات کے اوپر کامل اعتماد وبھروسہ، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے سچا عشق اور ان کی اطاعت واتباع، اکابر واسلاف کے اُسوۂ حسنہ کی پیروی اور اپنے پیش رو نوجوانوں کے حالات سے گہری واقفیت ان شاء اللہ دشمن کی ہر سازش کو ناکام بنادیں گی اور آپ کے تمام مسائل کو بہ حسن وخوبی حل کردیں گی اور آپ بلندی کے اس مقام تک پہنچ جائیں گے جس کا آپ کو وہم وگمان نہ ہوگا۔

علامہ اقبال مرحوم نے کتنی عمدہ بات کہی ہے:

عہدِ نو برق ہے، آتش زن[1] ہر خرمن[2] ہے
ایمن[3] اس سے کوئی صحرا نہ کوئی گلشن ہے
اس نئی آگ کا اقوامِ کہن ایندھن ہے
ملتِ ختمِ رُسُل شعلہ بہ پیراہن[4] ہے
آج بھی ہو جو براہیم علیہ السلام کا ایماں پیدا
آگ کرسکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

یعنی یہ نئی تہذیب وانقلاب ایک آگ ہے جو تمام پرانی قوموں کی تہذیب اور معاشرت کو جلاکر خاک کردے گی، کوئی بھی قوم اس سے محفوظ نہیں رہ سکتی اور امت مسلمہ بھی اس آگ کی زد میں ہے؛ لیکن اگر آج یہ قوم صحیح معنوں میں مسلمان بن جائے، اور اسلاف کا سا جذبۂ ایمان پیدا کرلے تو نئی تہذیب خود خاکستر (راکھ) ہوجائے گی اور مسلم قوم چمکتے ہوئے سونے کی طرح اُس آگ سے صحیح وسالم نکل آئے گی، جس طرح حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے لیے آتشِ نمرود گلزار ہوگئی تھی اور وہ صحیح وسالم باہر آگئے تھے۔

دیکھ کر رنگِ چمن ہو نہ پریشاں مالی!
کوکبِ غنچہ سے شاخیں ہیں چمکنے والی
خس وخاشاک سے ہوتا ہے گلستاں خالی
گل بر انداز ہے خونِ شہدا کی لالی
رنگ گردوں کا ذرا دیکھ تو عنابی ہے
یہ نکلتے ہوئے سورج کی اُفق تابی ہے

[1] جلا ڈالنے والا، [2] کھلیان، [3] محفوظ [4] جس کے لباس میں آگ لگی ہوئی ہو

یعنی مسلمانوں کی بدحالی دیکھ کر ملت کے جو محافظ و نگہبان ہیں ان کو مایوس نہ ہونا چاہیے، اسی خراب حال مسلم قوم سے نئے افراد اور نئی طاقت پیدا ہوگی اور خراب عناصر کوڑا کرکٹ کی طرح دور ہو جائیں گے، شہداء اسلام کا خون ضرور رنگ لا کر رہے گا، ذرا دنیا کی فضا پر نظر ڈالو، فضا کی سرخی (دنیا کی بے چینی واضطراب) آفتاب اسلام کے طلوع ہونے کی علامت ہے، جس طرح صبح کے وقت اُفق کی سرخی طلوع آفتاب کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔

آخر میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی دعائیہ نظم پر ہم اپنی بات ختم کرتے ہیں

دعا

شراب کہن پھر پلا ساقیا!
وہی جام گردش میں لا ساقیا!
مجھے عشق کے پر لگا کر اُڑا
میری خاک کو جگنو بنا کر اُڑا
خرد کی غلامی سے آزاد کر
جوانوں کو پیروں کا استاذ کر
تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دلِ مرتضیٰؓ سوزِ صدیقؓ دے
جگر سے وہی تیر پھر پار کر
تمنا کو سینوں میں بیدار کر
ترے آسمانوں کے تاروں کی خیر
زمینوں کے شب زندہ داروں کی خیر
جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے
میرا عشق میری نظر بخش دے

آمین

اللہ تعالیٰ امت کے نوجوانوں میں اسلامی شعور اور ایمانی روح زندہ فرمائے تاکہ وہ قائدانہ کردار ادا کرسکیں اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت جو اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت اور انسانیت کے لیے سراپا رحمت ہے اس کا مقصد پورا ہو سکے، آمین یا ارحم الراحمین۔

عہدِ نو برق ہے، آتش[1] زن ہر خرمن[2] ہے
اَیمن[3] اس سے کوئی صحرا نہ گلشن ہے
اس نئی آگ کا اقوامِ کہن ایندھن ہے
ملتِ ختمِ رُسل شعلہ بہ پیراہن[4] ہے
آج بھی ہو جو ابراہیم علیہ السلام کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

(از: اقبال مرحوم)

یعنی یہ نئی تہذیب وانقلاب ایک آگ ہے جو تمام پرانی قوموں کی تہذیب اور معاشرت کو جلا کر خاک کر دے گی، کوئی بھی قوم اس سے محفوظ نہیں رہ سکتی اور ام[illegible] بھی اس آگ کی زد میں ہے؛ لیکن اگر آج یہ قوم صحیح معنوں میں [illegible]ان بن جائے، اور اسلاف کا سا جذبۂ ایمان پیدا کر لے تو نئی تہذیب خود خاکستر (راکھ) ہو جائے گی اور مسلم قوم چمکتے ہوئے سونے کی طرح اُس آگ سے صحیح وسالم نکل آئے گی، جس طرح حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے لیے آتشِ نمرود گلزار ہو گئی تھی اور وہ صحیح وسالم باہر آ گئے تھے۔

---

[1] جلا ڈالنے والا، [2] کھلیان، [3] محفوظ [4] جس کے لباس میں آگ لگی ہوئی ہو

ثمرین پرنٹرس، دار العلوم چوک، دیوبند 9411078099